قوانینِ قرآن

یکے از تصنیفات

علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی

لسان القوم

خانۂ حکمت ادارۂ عارف

قوانینِ قرآن

یکے از تصنیفات

علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی
ریسرچ ایسوسی ایٹ یونیورسٹی آف مونٹریال
کنیڈا

خانۂ حکمت   ادارۂ عارف
۳۔ اے نور ویلا ۲۶۹ گارڈن ویسٹ کراچی ۳ - (پاکستان)

ماہِ محل بدرالدّین برانچ

ماہِ محل بدرالدّین کی بہت بڑی ازلی سعادت ہے کہ انہوں نے کریم آباد ریلیجس نائٹ سکول جیسی عظیم درسگاہ میں کئی سال تک آنریری ٹیچر کی حیثیت سے بہترین خدمات انجام دیں، درحالے کہ آپ کی پاکیزہ روح حقیقی علم کے زیور سے آراستہ تھی، بعدازاں امریکا میں بقدرِ امکان اپنے عزیز استاد کی علمی نمائندگی کرتی رہیں، اور اب بفضلِ خدا "ایم۔ بی برانچ" کے درجے میں آپ دونوں عملدار کام کر رہے ہیں، یعنی محترم بدرالدّین ایڈوائزر اور محترمہ ماہِ محل سیکریٹری ہیں، مجھے کامل یقین ہے کہ ان عزیزوں کی جملہ زرّین خدمات دراصل امامِ عالیمقام علیہ السّلام ہی کے لئے ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی نورِ چشم بیٹی ملکۂ سبا بھی اپنے وقت میں عظیم و نامور اسماعیلیوں کی طرح حضرتِ امامِ اقدس علیہ السّلام کی خدمت کرے گی، آمین!

۲۵ر دسمبر ۱۹۹۳ء

ISW Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

فہرستِ مضامینِ قوانینِ قرآن

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	مختصر حالاتِ مصنف	۵
۲	شجرۂ کار	۱۰
۳	ابتدائی کلمات	۱۴
۴	فہرستِ قوانینِ قرآن	۲۲
۵	قوانینِ قرآن	۲۵
۶	ایک میں سب	٦٧
۷	عالمِ شخصی اور علمی معرفت	۷۵
۸	جسمانی اور روحانی علاج	۷۹
۹	لہسن قدرت کی معجزاتی دوا	۸۷
۱۰	یاسمین نور علی کے سوالات	۹۲

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

مختصر حالاتِ مُصنّف

یہ بندۂ خاکسار قریۂ حیدر آباد، ہونزا (ہ۔و۔ن۔ز۔ا) میں بتاریخ ۔۔۔۔ بسنہ ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۷ء پیدا ہوا، میرے والدِ محترم خلیفہ حُبّ علی ابنِ خلیفہ محمد رفیع نے اپنے اس سب سے چھوٹے فرزند کا نام پرتوِ شاہ (PARTAW-I SHAH) رکھا، اور جب میری بروشسکی (BURUSASKI) شاعری کا آغاز ہوا، تو اس وقت میں نے اپنا قلمی نام نصیر الدین اور تخلص نصیر اختیار کیا، اور چونکہ اُس خطۂ ارضی کا حقِ شناخت بھی واجب ہوتا تھا، جسکے عناصرِ اربعہ سے میرے وجودِ جسمانی کی تخلیق و تعمیر ہوئی تھی، لہٰذا ہونزا کی تاریخ میں سب سے پہلے میں نے ہی نام کے آخر میں لفظِ "ہونزائی" درج کیا، اور خدائے بزرگ و برتر کی رحمت و مہربانی سے ایک قلمی انقلاب کا آغاز ہُوا، اور بڑھتا ہوا جاری رہا۔

وہ زمانہ معاشی اور معاشرتی اعتبار سے بڑا سخت اور بہت ہی مشکل تھا، ریاستِ ہونزا میں میر محمد نظیم خان جیسے قدامت پسند حکمران کی حکومت ــ پوری ریاست کے صرف صدر مقام میں ایک ابتدائی سکول ـــــ باہر جاکر تعلیم حاصل کرنے پر بڑی سخت پابندی ـــــ نتیجے کے طور پر علاقے کے تمام بچوں کے ہاں اپنی اپنی بکریاں چرانے کا رواج ـــــ اگر انہیں ذرا سا وقت مل گیا تو کسی پسندیدہ

کھیل میں مصروف رہنا ــــــــــ یہی وہ زمانہ تھا، جس میں اگر وہاں کوئی اعلیٰ درسگاہ ہوتی تو شاید میں اور دوسرے بہت سے بچے کوئی بڑی تعلیم حاصل کر سکتے، لیکن خداوندِ تعالیٰ جو قادرِ مطلق ہے، اس کے لئے کوئی شے ناممکن اور ان ہونی نہیں، چنانچہ اس نے اپنی عنایتِ بے نہایت سے مجھ ناچیز پر ایک انتہائی سخت قسم کا مؤکّل اور نگران بٹھا دیا، اسکا نام شوق یا جذبہ ہے، وہ مجھے ہر وقت حصولِ علم پر آمادہ کرتا اور ابھارتا رہا، پس میں نے کچھ تعلیم گھر سے، کچھ گاؤں سے، کچھ پرائمری سکول بلتت سے، اور کچھ مختلف استادوں سے حاصل کی، نیز گلگت سکوٹس اور پھر آرمی میں شامل ہونے سے کافی معلومات فراہم ہوئیں، اس کے علاوہ کتب بینی اور ذاتی مطالعے کا عمل تو ہمیشہ جاری رہتا تھا، مگر وہ انفرادی اور ذاتی روحانیت کا انتہائی عظیم انقلاب جو اپنے دامن میں بے شمار علمی برکتیں لیکر آیا، میں کیسے اسے بھلا سکتا ہوں، یہ ملکِ چین کا واقعہ ہے.....

"قراقرم رائٹرز فورم گلگت" کے آفس سیکریٹری جناب شیر باز علی خان برچہ کی کتاب "تذکرۂ اہلِ قلم و شعرائے گلگت" میں میرے حالاتِ زندگی کا ایک مختصر حصہ درج ہے، جو عنقریب شائع ہوگی، اور میری زندگی کے غیر معمولی واقعات پر ریسرچ (تحقیق) کرنے کی غرض سے میرے دوستوں نے "ادارۂ عارف" کو قائم کیا ہے. علاوہ برآں ہمارے دو ادارے اور ہیں: خانۂ حکمت، اور برشسکی ریسرچ اکیڈمی، ہر ادارے کے

انتہائی مخلص و جان نثار عملدار اور ارکان ہیں، اور تینوں ادارے ایک سرپرستِ اعلیٰ کے تحت کام کر رہے ہیں، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میری کتابوں اور ان میں سے بعض کے ترجموں کی مجموعی تعداد میری عمر کے سالوں سے تقریباً دُگنی (۷۱×۲=۱۴۲) ہو گئی ہے، ترجمہ کے عظیم کارناموں کے لئے میں عزیز دوستوں کا مرہونِ منّت ہوں، ہم نے اور ہمارے احباب نے (جن کے کارہائے نمایاں آئندہ تاریخ میں ناقابلِ فراموش ہوں گے) مل کر مختلف ممالک کے لاکھوں انسانوں کو روحِ اسلام کا پیغام سنایا، اور اگر خدا چاہے، تو کارِ خیر کا یہ دائرہ اور بھی وسیع تر ہو سکتا ہے۔

میں قرآن و رُوحانیت کی روشنی میں نئی اور آئندہ نسل سے یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اسلامی روح کے عجائب و غرائب سے متعلق جو علم ہے، اسکا مطالعہ کریں، خود کو قبولِ روحانیت کے لئے تیار کر رکھیں، کیونکہ عنقریب ایک روحانی انقلاب کی آمد آمد ہے، اس لئے کہ آفاقی آیات/معجزات یعنی سائنسی اکتشافات کے فوراً بعد ہی روحانی معجزات ظہور پذیر ہونے والے ہیں (القرآن، ۴۱: ۵۳) یہ اڑن طشتریاں کیا ہیں، جو پہلے کبھی کسی نے نہیں دیکھی تھیں؟ یہ جسمِ لطیف کا قصّہ کیوں مشہور ہو رہا ہے؟ یہ بعض درویش کیوں کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے روح کا مشاہدہ کیا، جنّ کو دیکھا، اور آسٹرل باڈی سے ملاقات کی!

یہ آج کی دنیا میں علومِ مخفی (OCCULT SCIENCES) کا ایسا رجحان کیوں ہے؟ پس اس روشن حقیقت میں کوئی شک ہی نہیں کہ روحانی ترقی کا دور آرہا ہے، جسکی بہت سی پیش گوئیاں قرآن پاک میں موجود ہیں۔

میں روحانیت پر کیوں یقین رکھتا ہوں، اور کس بنا پر اسکا مشورہ دیتا ہوں، اگر آپ کو اس کا پس منظر جاننا ہے، تو میری کتابوں کو پڑھیں، ان میں جو چیزیں پسند ہوں، وہ آپ قبول فرمائیں، اور باقی ہمارے لئے چھوڑ دیں، یہ کتابیں سو میل پا پیادہ سفر کرنے کی طرح ضخیم نہیں کہ آپ کو تھکائیں، بلکہ ہوائی جہاز میں سوار ہو کر کم وقت میں زیادہ مسافت طے کرنے کی شان پر مختصر اور جامع ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ میری ایک کتاب "روح کیا ہے؟" ایک علمی انقلاب ہے، جس پر آج نہیں تو کل ضرور کہیں ریسیرچ ہو گی، میرا خیال ہے کہ میں نے ذہنی علاج کے سلسلے میں اسلامی طریقِ کار کو اجاگر کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں: قرآنی علاج، علمی علاج، اور روحانی علاج، میں نے قرآنی علاج ص ۱۲۶ پر دنیا بھر کے ممالکِ اسلامیہ سے عاجزانہ گزارش کی ہے کہ وہ اب روحانی سائنس کے ادارے قائم کریں، والسّلام۔

نصیر الدّین نصیر ہونزائی

ہفتہ ۱۸ ر رجب المرجب ۱۴۰۹ھ / ۲۵ ر فروری ۱۹۸۹ء

ہمارا شجرۂ کار

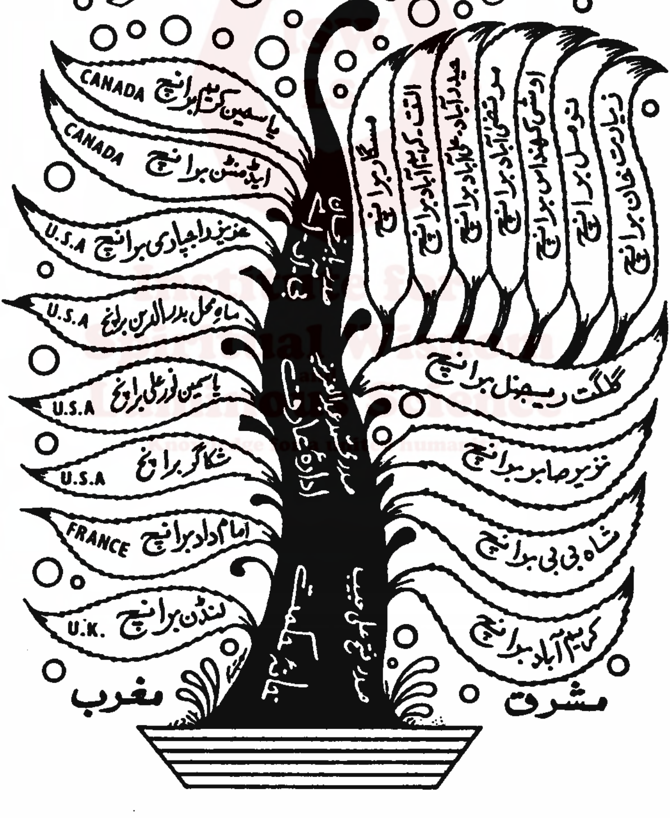

شجرۂ کار

(۱۹۹۳ء)

شجرۂ کار سے متعلق سابقہ معلومات کے لئے کتاب "لعل وگوہر" کے صفحات از ۱۲ تا ۱۸ کو پڑھیں، خداوندِ قدوّس کی عنایتِ بے نہایت سے، علمی بہشت کا یہ سدا بہار درخت ہمہ وقت علم وحکمت کا میوۂ روح پرور دیتا رہتا ہے، اور اس کی روز افزون ترقی پر ہم سب مل کر جتنا بھی شکر کریں، وہ انتہائی قلیل ہوگا، پس اے دوستانِ عزیز! اب ہمیں ان بے شمار عظیم نعمتوں کی ناشکری سے ڈرتے ہوئے ربِّ غفور کی بارگاہِ اقدس میں گریہ وزاری اور مناجات کرنے کی سخت ضرورت ہے، تاکہ وہ کریم کارساز رحیم بندہ نواز ہمیں ایسی اعلیٰ توفیق و ہمت عنایت فرمائے کہ جس سے ہم اس کی ہر نعمت کی شکرگزاری اور قدردانی کر سکیں۔

خداوندِ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارے تمام عملداروں اور ممبروں نے شرق وغرب میں مجموعی طور پر جتنا کام کیا ہے، جو جو عظیم کارنامے انجام دئے ہیں، اور جتنی علم کی روشنی پھیلائی ہے، اس کی تفصیلات بیان کرنا میرے لئے انتہائی مشکل کام ہے، اس لئے میں یہاں صرف شجرۂ کار کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا

ہوں۔

عزیز ساتھیو! آپ کو تاریخی معلومات فراہم کر دینے کی خاطر آج میں سب سے پہلے شمالی علاقہ جات کے دوستانِ حمیم اور یارانِ قدیم کا کچھ تذکرہ کر رہا ہوں، کیونکہ وہ ہمارے اس زمانے کے حامی اور ساتھی رہ چکے ہیں، جس میں ہم بار بار بڑی مشکلات سے دوچار ہو جاتے تھے، مثال کے طور پر جب ہم نے اپنے گاؤں حیدر آباد میں شمالی علاقہ جات کی اوّلین رضا کار تنظیم قائم کی تو اس وقت ریاستِ ہونزا کے اہلِ سیاست نے بڑی شدّت سے ہماری مخالفت کی، اور بعض والنٹیرز کو فرداً فرداً ڈرانے کی کوششیں ہوتیں، لیکن خدا کی مدد شاملِ حال تھی، لہٰذا ہمارے عالی ہمّت جوان اس عملِ خیر پر ڈٹے رہے، کیونکہ ہمارا منصوبہ نیک تھا، اور جوانوں کا انتخاب میں نے بہت سی خوبیوں کی بنیاد پر کیا تھا چنانچہ میں نے ان کی حوصلہ افزائی کی خاطر ایک عمدہ بروشسکی ترانہ بھی بنایا، جو دیوانِ نصیری میں موجود ہے، جس کو والنٹیرز اور دوسرے سب بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔

الغرض کراچی مرکز نے اب اپنی شاخ گلگت کو ریجنل برانچ کا درجہ دیدیا ہے، جس کی ذیلی برانچز آٹھ ہیں: ۱۔ مسگار برانچ، ۲۔ التت۔ کریم آباد برانچ، ۳۔ حیدر آباد۔ علی آباد برانچ، ۴۔ مرتضیٰ آباد برانچ، ۵۔ اوشی کھنداس برانچ، ۶۔ نومل برانچ، ۷۔ زیارت خان

برانچ، ۸- یاسمین شیرولی برانچ کا نام انشاء اللہ درج ہوگا۔

عزیزم زیارت خان بڑی جانفشانی سے علم وحکمت کی خدمت کر رہے ہیں، اس لئے ان کی شخصیت کو ۲۵ اشخاص پر مبنی برانچ کا درجہ دیا گیا، تاکہ بہترین خدمت کی ایک مثال قائم ہو جائے، مجھے یقین ہے کہ اس ترقی سے گلگت کے ہمارے تمام عزیزان خوش ہو جائیں گے۔

کراچی مرکز سے وابستہ اسلام آباد برانچ کا نام ۲۶ نومبر ۱۹۹۳ء سے نذیر صابر برانچ مقرّر ہوا ہے، یہ اُن گرانقدر اور قابلِ ستائش خدمات کی وجہ سے ہے، جن کو حقیقی علم کی روشنی پھیلانے کی خاطر نذیر صابر صاحب انجام دے رہے ہیں، کراچی میں اس وقت دو برانچز ہیں: شاہ بی بی برانچ، اور کریم آباد برانچ۔

مغرب میں ہماری یہ برانچز ہیں: لنڈن برانچ (یو۔کے)، امام داد برانچ (فرانس) شکاگو برانچ (امریکا) یاسمین نور علی برانچ (امریکا) ماہِ محل بدرالدین برانچ (امریکا)، عزیز راجپاری برانچ (امریکا) مرینہ شفین برانچ (امریکا) ایڈمنٹن برانچ (کنیڈا) یاسمین کریم برانچ (کنیڈا)، آپ ہمارے شجرۂ کار کو دیکھیں، اس میں مرینہ شفین برانچ کا نام ہنوز درج نہیں ہوا، ان شاء اللہ بعد میں ہوگا۔

ہمارے عزیزان جو علمِ اہلِ بیت کے متعلّمین اور خادمین میں سے ہیں، بڑے خوش نصیب ہیں کہ زمانۂ قیامت اور دورِ تاویل کی نہ

صرف شناخت رکھتے ہیں، بلکہ اس خصوصی علم کے انمول جواہر سے دوسروں کو مستفید بھی کر رہے ہیں، جن لوگوں کو امامِ زمان صلوٰۃ اللہ علیہ کا علمی صدقہ مل رہا ہو، ان کی سعادتمندی کا کیا کہنا، مگر بات یہ ہے کہ خداوندِ عالم الٰہی بے شمار نعمتوں کی شکر گزاری کی توفیق و ہمّت عنایت کرے! آمین یا ربّ العالمین!

نوٹ: "جشنِ خدمتِ علمی"، تمام عزیزوں کو مبارک ہو! یہ ایک علمی عید ہے، جو سال بھر جاری رہے گی۔

این این ہونزائی

کراچی

۲۱؍ جمادی الثّانی ۱۴۱۴ھ ۶؍ دسمبر ۱۹۹۳ء

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

ابتدائی کلمات

۱۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: ہر اعلیٰ تعریف اُس ذاتِ پاک کے لئے ہے جو قدیم اور احد و صمد ہے، وہی خدائے برحق اور دانائے مطلق ہے، وہ اوّل، آخر، ظاہر، اور باطن اس معنیٰ میں ہے کہ اس کے لئے کوئی حد نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ کوئی ضد ہے، وہ ایک اور اکیلا ہے، لیکن عددِ واحد کی طرح نہیں، اس کی صفت لم یلد۔ ولم یُولد (نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد) میں اگرچہ علم الاشارۃ کا ایک خزانہ پوشیدہ ہے، تاہم ضروری نکتہ یہ ہے کہ اولاد ہونے کے کئی مقاصد ہیں، مثلاً اولاد کو دیکھکر خوش ہوجانا، باپ کے کام میں مدد کرنا، بیماری میں تیمارداری، باپ کی موت کے بعد جانشینی وغیرہ، لیکن خدا ہر ضرورت سے بے نیاز و برتر ہے، نیز یہ بھی محال ہے کہ خدا کسی کی اولاد ہو، کیونکہ اولاد وہ ہے جو زمانہائے دراز تک نہ ہونے کے بعد پیدا ہوجاتی ہے، جبکہ اللہ کے لئے کوئی ایسا زمانہ نہیں، جس میں وہ جلّ جلالہ حیّ و حاضر نہ ہو۔

۲۔مجموعۂ معجزات: حضرت محمد مصطفیٰ رسول اللہ، حبیبِ خدا، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بیمثال ذاتِ اقدس کی جیسی

عظمت وجلالت تھی، اس کا سب سے بڑا ثبوت اور لاتعداد معجزات کا مجموعہ قرآنِ حکیم ہے، ساتھ ہی ساتھ قرآنِ پاک سب کے لئے ہدایت نامۂ الٰہی بھی ہے، چنانچہ اللہ کے فضل وکرم سے تقریباً چودہ سو سال کے عرصے میں قرآنِ عظیم کے ظاہری علوم پر عُلمائے کرام نے بہت کام کیا ہے، اور بہت کچھ تحریر فرمایا ہے، لیکن باطنی علوم کی طرف بہت کم توجّہ دی گئی، چنانچہ یہ بندۂ ناچیز اپنی قلمی کمزوریوں کے باوجود خدا کا نام لیکر اس وسیع میدان میں کسی نامور بزرگ کے نقشِ قدم پر چل پڑا، اور کامیابی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

۳۔ بحث ومناظرہ: سب سے پہلے آج میں یہ کہوں گا کہ اگر میں درویش ہوں تو مجھے کسی سے مناظرہ نہیں کرنا چاہئے، ویسے بھی بحث ومناظرہ کا وقت ختم ہو چکا ہے، میری عاجزانہ گزارش یہ ہے کہ کوئی شخص مجھے سوالنامہ نہ لکھے، وہ بیشک دستیاب کتابیں پڑھ سکتا ہے، یہ کوئی دانشمندی نہیں کہ ہم اپنی عمرِ گرانمایہ کے قیمتی اوقات کو فضول بحثوں میں صرف کریں، ہونا یہ چاہیئے کہ ہم نیک نیتی اور خیر خواہی کے جذبے سے سرشار ہو کر قرآن اور اسلام کی علمی خدمت کریں، اور صاف دلی سے تقریر وتحریر کا فائدہ پہنچائیں۔

۴۔ نور اور اسرارِ قرآن: جس طرح ظاہر میں دنیا کی ہر چیز کی

لے میرا مطلب یہ نہیں کہ ہمارے عزیزان تعلیمی سوالات نہ کریں۔

شناخت سورج کی روشنی میں ہو سکتی ہے، اسی طرح قرآنِ عزیز کے باطن میں علم و حکمت کے جو اسرار ہیں، ان کی معرفت ہادیٔ زمان کے نورِ اقدس سے حاصل ہو جاتی ہے، کیونکہ وہی انسانِ کامل قرآنِ ناطق بھی ہے، اور معلّمِ ربّانی بھی، جیسے زمانۂ نبوّت میں آنحضرتؐ خود نورِ مجسّم، قرآنِ ناطق، اور معلّمِ کتابِ سماوی تھے، اور اس حقیقت سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ قرآنِ پاک اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے پیغمبرِ اکرم صلعم کا سب سے بڑا معجزہ ہے، اسی طرح اس کا روحانی اور نورانی معلّم ہونا بھی بہت بڑا معجزہ ہے، لہٰذا یہ معجزاتی کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد آپؐ کے برحق جانشین کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا ہے۔

۵۔ ذوالقرنین: امامِ اقدس و اطہر علیہ السّلام کا روحانی لقب ہے، پُرحکمت قصّہ سورۂ کہف کے رکوعِ یازدہم (۱۸: ۸۳-۱۰۱) میں غور سے پڑھ لیں، قرآنِ حکیم میں کوئی لفظ کوئی نام حکمت کے بغیر نہیں، پس ذوالقرنین کے لفظی معنی ہیں دو زمانوں کا مالک، اور اسکی تاویل ہے زمانۂ ظاہر اور عصرِ باطن کا مالک، کیونکہ انسانِ کامل پر دوہرے قسم کے واقعات گزرتے ہیں: ظاہر میں اور باطن میں، "ذوالقرنین" کی اس وجہِ تسمیہ کے بعد ہی یہ بنیادی حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ سورج تک رسائی کا سفر روحانی اور تاویلی ہے، اور سورج سے نورِ عقل مراد ہے، کیونکہ آج کے زمانے میں سائنس کی روشنی میں فکرِ جدید

کی سخت ضرورت ہے، کیا ظاہری سورج ہماری زمین سے کروڑوں میل کی مسافت پر نہیں ہے؟

۶۔ **راستوں والا آسمان**: قرآنِ پاک کا ارشاد ہے: وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ = قسم ہے آسمان راستوں والے کی (۵۱/۷) یہ آسمان مرتبۂ نورِ عقل پر امامِ عالیمقامؑ ہی ہے، جس سے اسرارِ علم و حکمت کے راستوں کی ہدایت ملتی ہے، انہی راستوں کو سُبُلَ السَّلٰمِ (۵/۱۶) بھی کہا گیا ہے، اور یہی راستے قصۂ ذوالقرنین (۱۸/۸۴) میں سَبَب اور اسباب بھی ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے: وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا = اور ہم نے اس کو ہر (روحانی اور عقلانی) چیز کا راستہ دکھایا۔

۷۔ **فنا فی اللہ کی دوسری تشریح**: میں نے "چہل حکمت جہاد" کے دیباچہ میں فنا فی اللہ و بقا باللہ کی تشریح حدیثِ قدسی نوافل سے کی ہے، جو بہت ہی عمدہ اور بڑی دلنشین ہے، اب یہاں اسی مقصد کے پیشِ نظر ایک اور عالیشان حدیثِ قدسی کو لیتے ہیں، وہ یہ ہے: عبدی اطعنی اجعلك مثلی حیًّا لاتموت، وعزیزاً لاتذل وغنیاً لاتفتقر = اے میرا بندہ! میری اطاعت کرنا کہ میں تجھ کو اپنی ہستی کی طرح (ہمیشہ کے لئے) زندہ بناؤں گا کہ تو کبھی نہیں مرے گا، اور ایسا باعزت بناؤں گا کہ تو کبھی ذلیل نہیں ہوگا، اور ایسا تو انگر بناؤں گا کہ تو کبھی مفلس نہیں ہوگا۔ پس یہ حدیثِ قدسی عارفِ کامل کی فنا فی اللہ و بقا باللہ کی سب سے بہترین وضاحت اور سب سے

روشن ترین دلیل ہے۔

۸۔ قوانینِ قرآن: خداوندِ قدوس کی رحمت و مہربانی سے جون ۱۹۹۳ء میں لنڈن کے عظیم المرتبت دوستوں کے ساتھ بہت سے علمی مشورے ہوئے، اور اس میں یہ تجویز بھی ہوئی کہ "قوانینِ قرآن" کے موضوع پر لکھا جائے، اور "علم الاشارۃ" کے بارے میں شاید کراچی میں بات ہوئی تھی، اب یہ قوانینِ قرآن حصّہ اوّل آپ کے سامنے ہے، ہر چند کہ قرآن شریف کی ہر آیۂ کریمہ بجائے خود ایک قانون کا درجہ رکھتی ہے، تاہم مختلف موضوعات کی بنا پر بعض آیاتِ کریمہ کا انتخاب بھی ہوتا ہے، مثال کے طور پر قانونِ ہدایت کے لئے جملہ متعلقہ آیات میں سے نمائندہ آیۂ کریمہ یہ ہے: انما انت منذر و لکل قوم ھاد۔ (اے رسولؐ) تم تو صرف ڈرانے والے ہو، اور ہر قوم کے لئے ایک ہدایت کرنے والا (یعنی امام ہوا کرتا) ہے ($\frac{13}{7}$)۔

۹۔ صاحبِ جثۂ ابداعیہ: یعنی امامِ زمان علیہ الصلاۃ والسلام، جو جسمِ لطیف کے مالک ہیں، اگرچہ حضرتِ مولا کے اس انتہائی عظیم معجزے کا ذکرِ جمیل کئی بار ہو چکا ہے، لیکن عشّاق ہر وقت دیدارِ پاک اور اس کا تذکرۂ شیرین چاہتے ہیں، جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے: ومن ایٰتہ یریکم البرق خوفاً وطمعاً = اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تم کو ڈرانے اور امید دلانے کے واسطے بجلی (نورانی ہستی = جثۂ ابداعیہ) دکھاتا ہے (اور آسمان سے پانی برساتا ہے، $\frac{30}{24}$)

بیشک ظاہری نورانی دیدار میں خوف بھی ہے اور عشق (طمع) بھی، اور یہ روحانی ترقی کا وہ اعلیٰ مقام ہے، جہاں آسمانِ عقل سے علمِ لدُنّی کا پانی برستا ہے، جس میں حقیقی زندگی ہے، الحمدللہ ربّ العالمین۔

۱۰۔ **اناالسّاعۃُ** : کوکبِ دُرّی، بابِ سُوم، منقبت ۲۷ میں مولا علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: اَنَا السّاعۃُ = میں ساعت (یعنی قیامت) ہوں، اور اس حدیثِ شریف میں بھی یہی تاویل ہے: بُعِثْتُ انا والسّاعۃَ کھاتَینِ = میں اور قائم (ساعت = قیامت) ان دو انگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ بھیجے گئے ہیں (بحوالۂ کتابِ وجہ دین، اردو، حصّہ اوّل، ص ۹۹) یقیناً قرآنِ پاک کے ہر ایسے مقام پر حضرتِ قائم علیہ السلام کا ذکر ہے، جہاں کسی بھی عنوان سے قیامت کا بیان آیا ہو، سب جانتے ہیں کہ قرآنِ عظیم احوالِ قیامت کے تذکروں سے بھرا ہوا ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ جل شانہٗ، بادشاہِ مطلق ہے، اس لئے وہ صرف امر فرماتا ہے، جس سے ہر عظیم فرشتہ اپنا کام کرتا ہے، جیسے فرشتۂ قلم خدا کے حکم سے لکھتا ہے، فرشتۂ لوح اس عقلانی اور روحانی تحریر کو اپنی ذات میں محفوظ کر لیتا ہے، اور دوسرے تمام فرشتے اپنا اپنا کام کرتے ہیں، اسی طرح حضرتِ قائم القیامت علیہ السّلام جو انتہائی عظیم فرشتہ ہے، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے کارِ قیامت

کے لئے مقرر ہے۔

۱۱۔ <u>دعائے بے مثال</u> : سیدالانبیاءؑ والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائے مقدسہ ومبارکہ اپنے وقت میں معجزانہ اور بے مثال تھی، (۴/۶۴، ۹/۹۹، ۹/۱۰۳) اور یہی پاک و بابرکت دعا امامِ آلِ محمدؑ کے نور میں جاری و باقی ہے، پس ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ مولا ہم سے راضی ہو، تاکہ اس کی نورانی دعا ہمارے حق میں کام کرتی رہے، ہر مومن اور مومنہ کے لئے علیٔ زمانؑ کی دعا اور خوشنودی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔

۱۲۔ <u>خاموش خادم</u> : عزیز ساتھیو! آپ ہر ہر نعمت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے شکر کریں، خاموش خادم بن جائیں، دل ودماغ اور طبیعت میں نرمی اور عاجزی پیدا کریں، کیونکہ ساری حکمت ودانائی اسی میں ہے، فخر وغرور کے جراثیم کو مارنے کے لئے گریہ وزاری اور مناجات سے کام لیں، اگر یہ درست ہے کہ آپ "تنظیمِ اخوان الصّفا" کی طرح امامِ عالیمقامؑ کا ایک باطنی ادارہ ہیں، تو پھر آپ کو صرف باطنی اور اُخروی عزت ملے گی، مولا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، اس لئے اس کے ادارے دونوں مقام پر ہو سکتے ہیں۔

۱۳۔ <u>فدا ہو جانے کی تاویل</u> : اگر ہم کو اپنے محبوب امامؑ سے عشق ہے تو اس کی سرمستی میں کہنا ہوگا کہ ہم مولا کے ہر ادارے سے قربان اور فدا ہو جائیں! خصوصاً ان اداروں سے، جن میں دینی

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

علم کا کام ہوتا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ ہم فعلاً فدا ہو چکے ہیں، کوئی پوچھے، کیوں؟ اور کس طرح؟ تو ان شاء اللہ عرض کریں گے۔
الحمد للہ علیٰ منّہٖ و احسانہٖ۔

ن۔ن ہونزائی
کراچی

۷، رجب المرجب ۱۴۱۴ھ ۲۱، دسمبر ۱۹۹۳ء

SW
LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

فہرستِ قوانینِ قرآن

نمبر شمار	قانون	ص
۱	تخلیق در تخلیق	۲۵
۲	کمالِ روحانی	۲۶
۳	درجاتِ ہدایت	۲۷
۴	درجاتِ علم	۲۷
۵	ہر چیز میں علم	۲۸
۶	قرآن اور لوازمِ قرآن	۲۸
۷	نفوسِ جزوی	۲۹
۸	مساواتِ رحمانی	۳۰
۹	اسمِ اعظم	۳۱
۱۰	عشقِ الٰہی	۳۱
۱۱	لاہوتی دوا	۳۱
۱۲	قیامت	۳۲
۱۳	خدا کے پاس جانا	۳۲

نمبر شمار	قانون	ص
۱۴	نفسِ واحدہ	۳۳
۱۵	تجدّدِ امثال	۳۳
۱۶	کائنات کو لپیٹنا	۳۴
۱۷	روح اور مادّہ	۳۵
۱۸	اِبداع	۳۹
۱۹	روحانی سلطنت	۴۱
۲۰	حیوانِ انسان نما	۴۳
۲۱	رحمتِ کُل	۴۴
۲۲	خیر و شرّ	۴۵
۲۳	سود کی تاویل	۴۶
۲۴	چار پرندے	۴۶
۲۵	سلطنتِ سلیمانی	۴۷
۲۶	موت کی تحقیق	۴۹
۲۷	دائرے ہی دائرے	۵۰
۲۸	سایۂ بہشت	۵۱
۲۹	جسمِ لطیف	۵۲
۳۰	علم سے عشق	۵۳

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

نمبرشمار	قانون	ص
۳۱	مرگِ جہالت	۵۴
۳۲	بیت اللہ	۵۵
۳۳	دینِ مجسّم	۵۶
۳۴	خدا کی رسّی	۵۷
۳۵	قرآن کا لسانی معجزہ	۵۹
۳۶	کتابِ ناطق	۶۱
۳۷	السنۂ عالم	۶۲
۳۸	اہلِ جنّت کی زبان	۶۳
۳۹	ہر زبان محفوظ ہے	۶۴
۴۰	یومُ الخُلود	۶۶

ISWLS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

قوانینِ قرآن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قانون ۱: تخلیق در تخلیق : حق بات تو یہ ہے کہ خالقِ اکبر کی صفتِ خالقیّت قدیم ہے، اس لئے کوئی ایسا وقت یا دور ممکن نہیں، جس میں خدا فعلاً خالق نہ ہو، وہ سبحان رازق کہلاتے، مگر کوئی مرزوق نہ ہو، ربّ ہو اور مربوب کا کوئی وجود ہی نہ ہو، پس اس مختصر اور روشن دلیل سے ظاہر ہوا کہ "تصورِ آفرینش" کسی ابتدا و انتہا کے بغیر ہے، یعنی خط (لکیر) کی طرح نہیں کہ اس کا ایک ابتدائی سرا اور دوسرا انتہائی سرا ہوتا ہے، بلکہ دائرے کی طرح ہے، جس کا کوئی سرا نہیں، جیسا کہ قرآنِ عظیم میں فرمایا گیا ہے:-

ہر چیز ایک دائرے پر گردش کرتی ہے (۲۱/۳۳، ۳۶/۴۰)، یہاں سب سے زیادہ حیران کُن سوال یہ ہے کہ سورج کس طرح ایک دائرے پر گردش کر رہا ہے جبکہ وہ اپنی جگہ پر ساکن ہے؟ اس کا بڑا عجیب جواب یہ ہے کہ سورج تخلیق در تخلیق کے مطابق ہے، یعنی وہ بہت بڑا کائناتی چراغ ہے (۲۵/۶۱، ۷۱/۱۶، ۷۸/۱۳)، جس کا شعلہ مسلسل روشنیوں کی صورت میں فنا ہوتا رہتا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ دستِ قدرت

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

اس میں ایندھن (فلکی مادّہ / ایتھر) ڈالتا رہتا ہے، تاکہ اس میں چراغ خانہ کی طرح تجدّدِ امثال کا لاانتہا عمل جاری رہے، اور اسی طرح شعلۂ آفتاب، روشنی، اور ایندھن کے لگاؤ سے ایک عظیم رنگ سرکل بن جاتا ہے، پس اللہ تعالیٰ کی کبھی ختم نہ ہونے والی نعمتوں کا بہت بڑا راز اسی میں ہے کہ ہمیشہ تخلیق در تخلیق کا سلسلہ جاری ہے۔

قانون ۲: کمالِ روحانی: سورۂ تین ($\frac{۹۵}{۱-۸}$) کا پورا موضوع انسان کی عظیم الشان روحانی تخلیق و تکمیل سے متعلق ہے، چنانچہ شروع کی تین آیاتِ کریمہ میں خداوندِ عالم نے عقلِ کُلّ، نفسِ کُلّ، ناطق، اور اساس کی قسم کھائی ہے کہ قادرِ مطلق نے انسان کو روحانیت میں عروج وارتقاء کے انتہائی حسین اور بے مثال درجات میں بلند کرتے ہوئے پیدا کیا، جیسا کہ پیدا کرنا چاہیئے، تاآنکہ اس کو مرتبۂ علیّین ($\frac{۸۳}{۱۸}$) تک پہنچا دیا، اور یہی وہ حکمت ہے، جس سے انائے علوی، روحِ مستقر، اور حقیقتِ واحدہ (مونوریالٹی) پر روشنی پڑتی ہے۔

پھر اس علیم و حکیم نے بمقتضائے حکمت انسان کو انائے سفلی کے اعتبار سے درجۂ اسفل کی طرف لوٹا دیا، تاکہ اسکی آزمائش ہو جائے، لیکن اس امتحان میں وہ لوگ کامیاب و کامران ہو گئے، جو حقیقی معنوں میں ایماندار اور اچھے کام کرنے والے تھے، وہ علم و

معرفت کی روشنی میں اس حقیقت کو جانتے تھے کہ پروردگارِ عالم کے ہر ہر کام میں بہت بڑی حکمت پوشیدہ ہوا کرتی ہے، پس یقیناً ان کے لئے غیر ممنون اجر و صلہ ہے، یعنی ایسا ثواب جو غیر منقطع اور بے پایان ہے، اور اس میں احسان جتلانا بھی نہیں ہے۔

قانون ۳: درجاتِ ہدایت : سورۂ طٰہٰ کی ایک تاویلی حکمت اس طرح سے ہے کہ ربّ العزّت نے عالمِ امر کی ہر چیز کو عالمِ خلق میں نازل کر کے خلقی صورت دی، اور اس کے درجے کے مطابق ہدایت بھی دے دی (۲۰: ۵۰) اس سے ظاہر ہوا کہ کائنات و موجودات کی کوئی چیز اپنی نوعیت کی ہدایت سے خالی نہیں، لیکن تمام چیزیں درجات میں ہیں، اسی وجہ سے ہدایت کے بھی درجات مقرّر ہو گئے، پس انبیاء و ائمّہ علیہم السّلام جو خدا کی جانب سے لوگوں کے راہنما ہیں، انکی ہدایت سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے، جو صراطِ مستقیم کی نورانی ہدایت ہے، اور اہلِ ایمان کو انہی مقدس ہستیوں کے پیچھے پیچھے چلنے کا حکم ہوا ہے۔

قانون ۴: درجاتِ علم : اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ پاکؐ نے جن لوگوں کو جاہل کہا ہے یا چوپایوں کے مشابہ قرار دیا ہے، وہ تو علم کے کسی بھی درجے پر نہیں ہو سکتے ہیں، جی ہاں، یہی بات بالکل درست اور حقیقت ہے کہ علم کے درجات اور حجابات ہیں، جو حاملانِ عرش جیسے عظیم فرشتوں، مقدس ہستیوں، اور ایمانی روحوں

کے درمیان ہیں، جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: نرفع درجٰت من نشاءُط وفوق کل ذی علمٍ علیم (۱۲/۷۶) ہم جسے چاہتے ہیں اس کے درجے بلند کر دیتے ہیں، اور ہر صاحبِ علم سے بڑھ کر ایک اور عالم ہے۔

قانون ۵: ہر چیز میں علم: کوئی شک نہیں کہ قرآنِ حکیم ظاہراً وباطناً علم وحکمت کے معجزات وعجائبات سے مملو ہے، اس کے علاوہ آفاق والنفس میں بھی کوئی شئی ایسی نہیں، جس میں علم و حکمت کے اسرار تہ بتہ پنہان نہ ہوں، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ہر چیز ایک صندوقچۂ مقفّل کی طرح ہے، جس میں علمِ الٰہی کے گوہرِ گرانمایہ پوشیدہ پائے جاتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ خداوندِ تبارک وتعالیٰ نے عالمِ جسمانی کو مجمع البحرین (بحرِ رحمت اور بحرِ علم) میں غریق رکھا ہے، بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو پانی میں ڈوب کر بھی اندر سے خشک ہی رہتی ہیں، مگر دریائے رحمت اور دریائے علم ہر ذرّہ اور ہر خلیہ کے ظاہر وباطن میں موجزن ہے۔

قانون ۶: قرآن اور لوازمِ قرآن: یہ ایک اصولی بات اور مسلّمہ حقیقت ہے کہ ہر عظیم چیز سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنے کے لئے کچھ لوازم ہوا کرتے ہیں، چنانچہ خود قرآنِ پاک ہی کی روشنی میں لوازمِ قرآن یہ ہیں: (۱) نور (۵/۱۵) یعنی رسولؐ اور بعد میں جانشینِ رسولؐ (۲) راسخون فی العلم (۳/۷) یعنی محمدؐ وائمۂ آلِ محمدؐ (۳) کتابِ

ناطق (۲۳/۶۲ ، ۲۵/۲۹) یعنی امامِ زمانؑ، کیونکہ اس کے بغیر قرآنِ پاک
کی روح، روحانیت، نورانیت، اور حکمت محال ہے۔ (۴) آلِ ابراہیمؑ
کے بعد آلِ محمدؐ (۴/۵۴) اس لئے کہ آسمانی کتاب، حکمت، اور روحانی
سلطنت انہی حضرات کے ساتھ ہے (۵) وارثِ کتاب (۳۵/۳۲)
یعنی امامِ مبینؑ (۶) الکوثر (۱۰۸/۱) یعنی حضرتِ مولا علیؑ و ائمۂ اولادِ علیؑ،
چونکہ الکوثر (مردِ کثیر الذرّیت) سلسلۂ امامت کے معنی میں مولا علیؑ
ہی ہیں، جو آنحضرتؐ کے باقی ماندہ دینی کام کے لئے مامور ہوتے
ہیں (۷) خداوندِ تعالیٰ واحد و یکتا ہے، اور دین و دنیا کی تمام چیزیں
دو دو ہیں (بحوالۂ متعدد آیاتِ قرآنی) اور اسی قانونِ الٰہی کے مطابق
حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امّت کی ہدایت کے لئے
دو گرانمایہ چیزیں چھوڑ دی ہیں (یعنی اللہ کی کتاب اور اپنی عترت)
یعنی قرآن اور امام، جو معلّمِ قرآن ہے۔

قانون ۷: نفوسِ جزوی: خالقِ اکبر نے ہر بڑے اور چھوٹے
دور میں سب سے پہلے نفسِ واحدہ کی روحانی تخلیق مکمّل کر دی،
اور اسی سے تمام نفوسِ جزوی کا تجدّد فرمایا، پھر روح کے سماوی
سرے کو مُستقر کا نام دیا، اور ارضی سرے کو مستودع کے اسم سے
موسوم کیا (۶/۹۸) نفسِ واحدہ کا دوسرا نام "الرّوح" ہے، یہ روح
جزوی نہیں، بلکہ روحِ کلّی اور روحِ اعظم ہے، جو خود عالمِ امر بھی
ہے، اور سرچشمۂ ارواح (روح الارواح) بھی (۱۷/۸۵) جیسا کہ حضرت

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

امیرالمومنین علی علیہ السّلام کا ارشاد ہے: اَنَا اَمْرُاللّٰہِ وَالرُّوحُ (کوکبِ دُرّی، ص ۲۰۲) میں خدا کا امر (عالمِ امر یعنی عالمِ ابداع) اور روحِ کُلّی ہوں۔

قانون ۸: مساواتِ رحمانی: خداوندِ مہربان کی خدائی میں اس کی مخلوقات کے لئے اگر ایک طرف درجات ہیں، تو دوسری جانب ان سب کی مساوات (برابری) بھی ہے، درجات گویا سیڑھیاں ہیں، اور سیڑھی صرف راستے ہی کا کام دیتی ہے، اس لئے وہ کوئی مستقل اور دائمی ٹھکانہ نہیں، اور یہ بھی ایک عظیم راز ہے کہ درجوں کا تعلّق وجودِ خاکی اور اناتے سفلی سے ہے، جبکہ انائے عُلوی ازلی اور ابدی طور پر اپنی اصل کے ساتھ عالمِ بالا میں ہے، اور اصل ہی ہے، جس کو حقیقتِ واحدہ (مونوریالٹی) کہا گیا، اور اسی پیکرِ نُورانی اور صورتِ رحمانی کے بارے میں یہ پُرحکمت ارشاد ہے: مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ = تمہیں رحمان کی آفرینش (حقیقتِ واحدہ) ایک جیسی نظر آتی ہے (۶۷/۳)۔

اہلِ دنیا سب کے سب چہرۂ انسانی کے حسن و جمال پر ہر لحظہ مرتے رہتے ہیں، لیکن وہ ذرا بھی نہیں سوچتے کہ موجودات کی کوئی چیز اشارۂ حکمت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی، اے کاش! لوگ حقیقتِ واحدہ اور مساواتِ رحمانی کا تصوّر کرتے، کاش! وہ مثال کو چھوڑ کر ممثول کی طرف دوڑ پڑتے، تو شاید انہیں صورتِ رحمان کی تجلّیات کا دیدار ہوتا۔

قانون ۹: اسمِ اعظم: قرآنِ حکیم کے دو مقام پر خداوندِ تعالیٰ کے زندہ اسمِ اعظم کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے، اور اللہ کا وہ زندہ نامِ بزرگ امامِ زمانؑ ہی ہے، پھر چار مقام پر اسماء الحسنیٰ کے عنوان سے اس کے بے شمار فوائد کی حکمت موجود ہے (۷/۱۸۰، ۱۷/۱۱۰، ۲۰/۸، ۵۹/۲۴) اسماء الحسنیٰ کا مطلب یہ ہے کہ امامِ حیّ و حاضر صلوات اللہ علیہ و سلامہ کا نورانی اور بابرکت وجود خدا کے اسمائے عظام کا مجموعہ ہے، جیسا کہ حضرتِ مولا علی علیہ السّلام کا ارشادِ گرامی ہے: انا الاسماء الحُسنیٰ التی اَمَرَ اللہ اِن یدعیٰ بھا۔ یعنی میں خدا کے اسماءِ حُسنیٰ ہوں جن کے بارے میں خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کو ان اسماء سے پکارا جائے (کوکبِ دُرّی، منقبت ۲۹)۔

قانون ۱۰: عشقِ الٰہی: قرآنِ کریم میں جا بجا خدائے پاک و برتر کی پُر حکمت محبت کا ذکرِ جمیل آیا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شدید محبّت کا دوسرا نام عشق ہے، جیسے قرآنِ پاک کے یہ الفاظ ہیں: اشدّ حُبّاً للّٰہ (۲/۱۶۵) لیکن یہ نکتہ خوب یاد رہے کہ اللہ جو مکان و لا مکان سے برتر اور پاک ہے، اس کا عشق براہِ راست ممکن ہی نہیں، لہٰذا پیغمبرِ اکرمؐ اور امامِ حیّ و حاضرؑ کے وسیلے سے خدا کا عشق ہو سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث میں مولا علیؑ کی دوستی اور محبت کا عیان و نہان ذکر ملتا ہے۔

قانون ۱۱: لاہوتی دوا: قرآنِ حکیم میں جہاں جہاں اللہ تبارک و

تعالیٰ کی محبّت کا تذکرہ آیا ہے، وہاں اسکی تأویل امامِ اقدس و اطہرؑ کی محبّت ہے، اور یہی پاک و پاکیزہ محبت تمام اخلاقی اور روحانی بیماریوں کے لئے لاہوتی دوا کا کام کرتی رہتی ہے، مولائے پاک کا عشق دلوں سے غموں کو مٹاتا ہے، شکوک و شبہات اور وسوسوں کو جلاتا ہے، باطن کو منوّر کر دیتا ہے، اور ذکر و عبادت کو انتہائی شیرین بناتا ہے، پس یہ عشق وہ نسخۂ کیمیا ہے جس سے ہر بندۂ خاکی فرشتۂ نورانی ہو جاتا ہے۔

قانون ۱۲: قیامت: روحانیت کا ایک سرِّ عظیم یہ ہے کہ ہر بار انفرادی قیامت میں اجتماعی قیامت کا واقعہ پوشیدہ ہوا کرتا ہے، پس ایسی قیامت بڑی پُرحکمت ہوا کرتی ہے کہ ایک اعتبار سے انفرادی قیامت ہے، اور دوسرے اعتبار سے اجتماعی قیامت، یہ پہلودار حقیقت اس وجہ سے ممکن ہوئی کہ ہر آدمی بحدِّ قوت ایک عالمِ صغیر (پرسنل ورلڈ) ہے، جس میں تمام چیزیں اور سب لوگ بصورتِ ذرّات موجود ہیں، اس معنی میں انسان عالمِ ذر بھی ہے، چنانچہ جب کسی مومنِ سالک پر ذاتی اور انفرادی قیامت گزرتی ہے، تو وہ تنہا اپنی ذات میں اجتماعی قیامت کا مشاہدہ اور تجربہ کرتا ہے، جبکہ لوگوں کو اس قیامت کا کوئی علم ہی نہیں ہوتا کہ کیا ہو رہا ہے۔

قانون ۱۳: خدا کے پاس جانا: سوال ہے کہ قیامت کے دن لوگ خداوندِ تعالیٰ کے حضور کس طرح جاتے ہیں؟ سب ملکر؟

یا ایک ایک ہو کر ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ربّ العزّت کی بارگاہِ عالی عالمِ وحدت ہے، جس میں کثرت کی کوئی گنجائش نہیں، لہٰذا لوگ طوعاً و کرھاً (خوشی سے یا زبردستی سے ۳/۸۳) انسانِ کامل میں فنا ہو کر ایک ہو جاتے ہیں، اور یہی ایک ہستی خدا کے پاس پہنچ جاتی ہے، پھر اسکی دو تعبیریں ہوتی ہیں: (الف): پھر جب آخرت کا وعدہ آپہنچے گا تو ہم تم سب کو سمیٹ کر لے آئیں گے (۱۷/۱۰۴) (ب): اور تم ہمارے پاس ایک ایک ہو کے آئے جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار (نفسِ واحدہ سے) پیدا کیا تھا (۶/۹۵) یعنی لوگ نفسِ واحدہ (انسانِ کامل) کی وحدت میں خدا کے حضور سے آتے ہیں، اور اسی کی وحدت میں اس کے حضور جاتے ہیں۔

قانون ۱۴: نفسِ واحدہ: سورۂ لقمان (۳۱/۲۸) میں ارشاد فرمایا گیا ہے: ماخلقکم ولا بعثکم الا کنفسٍ واحدۃ = تمہاری (قیامت و روحانی) پیدائش اور انبعاث نفسِ واحدہ (انسانِ کامل) کی طرح ہے۔ یعنی تم سب کی اجتماعی قیامت، روحانی تخلیق، اور ابداع و انبعاث وغیرہ انسانِ کامل کی ذاتی قیامت میں پوشیدہ ہے، اور تم میں جو عالی ہمّت مومنین و مومنات ہیں، وہ بھی ایسی قیامت کا مکمّل تجربہ حاصل کر سکتے ہیں۔

قانون ۱۵: تجدّدِ امثال: بے شمار آدموں کے سلسلے میں ہر دوسرے آدم کا اصولی قصّہ پہلے آدم کے قصّے کا تجدّد ہے، جس

سے یوں لگتا ہے، جیسے ایک ہی آدم گزرا ہو، اسی طرح ہر دوسری قیامت پہلی قیامت کا تجدّد ہے، جس کی وجہ سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بس ایک ہی قیامت ہے، جو آنے والی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ قیامت اعلیٰ روحانیت کا ایک مخفی نام ہے، جس کا سلسلہ ہر دور کے کاملین میں جاری تھا اور ہے۔

تجدّد ایک کائناتی اور ہمہ گیر نظام ہے، جو چھوٹے بڑے وقفوں میں بھی ہے، اور مسلسل بھی، تاہم تجدّدِ امثال کا اطلاق ایک جیسی چیزوں پر ہوتا ہے، چنانچہ سب سے ضروری اور سب سے اعلیٰ تجدّد "تصوّرِ ازل" سے متعلق ہے، کیونکہ ازل خدا شناسی کا وہ انتہائی اعلیٰ مقام ہے، جہاں آفتابِ حقائق و معارف بے حجاب طلوع ہو جاتا ہے، کائنات لپیٹ کر غائب کرلی گئی، تو یہ فنائے عالم اور لامکان و لازمان کا مظاہرہ ہوا، اور یہی دہر بھی ہے، پھر کلمۂ کُن سے ایک نئی کائنات پھیلائی گئی، تو یہ عالمِ شخصی کے آخری معجزات میں سے ہیں (قرآن پاک کی متعلقہ آیات میں غور و فکر کی ریاضت کریں)۔

قانون ۱۶ : کائنات کو لپیٹنا : خدا قیامت کا یہ کام عالمِ شخصی میں کرتا ہے، جس میں بے شمار حکمتیں مخفی ہیں، مثال کے طور پر چند حکمتیں یہ ہیں، بکھرے ہوئے علوم کی یکجائی کے لئے، مکان کو ہٹا کر لامکان سامنے لانے کی غرض سے، زمان کو اٹھا کر لازمان دکھانے کی خاطر، تمام لوگوں کو نفسِ واحدہ میں واپس لینے کے لئے، کائنات و موجودات کو نچوڑ

کر جوہر (گوہر)، بتانے کی غرض سے، آسمان و زمین کی تبدیلی کے پیشِ نظر ($\frac{۱۴}{۴۸}$) عالمِ کبیر کو عملاً عالمِ صغیر میں محدود کر دینے کی وجہ سے، یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ آفتابِ قیامت کس طرح طلوع ہو جاتا ہے، عرش، نورِ عرش اور حاملانِ عرش کی معرفت کے واسطے، یہ دکھانے کے لئے کہ مومنین و مومنات کا نور کس طرح کام کرتا ہے، اور یہ حقیقت سمجھانے کی غرض سے کہ امامِ مُبین کی کامل معرفت میں عقل و دانش اور علم و حکمت کی تمام چیزیں سمائی ہوئی ہیں۔

قانون ۱۷: روح اور مادّہ: حقائقِ اشیاء سے بحث کرنے والوں کے سامنے ہمیشہ یہی ایک اساسی مسئلہ رہا ہے کہ آیا روح اس کیفیت میں منجمد ہو سکتی ہے، جس کو ہم مادّہ کہہ سکیں؟ اگر اس کا جواب "ہاں" میں مل جاتا ہے تو پھر یہ بات بھی ممکنات میں سے ہے کہ مادّہ کی تحلیل سے روح بن سکتی ہے، ہم اس کے عملی جواب کے لئے قرآنِ پاک سے رجوع کرتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اس بے مثال کتاب کی یہ شان ہے کہ اس کے ظاہر و باطن میں ہر چیز کا بیان موجود ہے ($\frac{۱۶}{۸۹}$)۔

دلیل ۱: قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ ہر چیز ایک دائرے پر گردش کر رہی ہے ($\frac{۲۱}{۳۳}$، $\frac{۳۶}{۴۰}$) پس یہ گردش دو طرح سے ہے: گردشِ تحلیل و تخلیق، اور گردشِ فعل، مثال کے طور پر خوبانی کی گٹھلی کا دائرۂ تحلیلی و تخلیقی یہ ہے کہ وہ پودا اور درخت بن جانے کے بعد پھول

اور پھل سے گزر کر پھر گٹھلی ہو جاتی ہے، مگر درمیان میں کہیں گٹھلی نظر نہیں آتی، اور فعلی گردش کی مثال زمین کی گردش ہے، جس کو سب جانتے ہیں، چنانچہ یہ کائنات (جو جسم اور مادّہ ہے) پودا اور درخت کی طرح ہے، اور روح پھول پھل اور گٹھلی کی طرح۔

دلیل ۲: اگرچہ مادّہ مُردہ ہے، اور روح زندہ، لیکن خدا وہ قادرِ مطلق ہے کہ بیجان چیز کو جان عطا کر دیتا ہے، اور جاندار شی کو موت کی نیند سلا دیتا ہے (بحوالۂ متعدد آیاتِ کریمہ)۔

دلیل ۳: جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو حکم دیتا ہے کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے، اگر خدائے بزرگ و برتر ایسا کوئی امر اپنے محبوب رسولؐ کی زبان سے دے، تو اس صورت میں بھی ابداع کا یہ کام ہو جاتا ہے، جیسا کہ فرمایا: قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا (۱۷/۵۰) (اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ تم چاہے پتھر بن جاؤ یا لوہا۔ خوب یاد رہے کہ خدائے علیم و حکیم کی کوئی بات مغزِ حکمت سے خالی نہیں ہوتی، پس یہ ایک واضح اشارہ ہے کہ پتھر جیسی چیزوں میں بھی روح کی صلاحیت خوابیدہ ہے۔

دلیل ۴: ہر چیز خزائنِ الٰہی سے نازل ہو جاتی ہے (۱۵/۲۱) لیکن اصلاً نزول کے معنی ہیں کسی چیز کا روحانی بلندی سے اُتر کر مادّی صورت میں ظاہر ہو جانا، اس سے ظاہر ہوا کہ جمادات کی ہر چیز خدا کے خزانوں سے اس طرح زمین پر آئی ہے کہ وہ قبلاً روح کے

آسمان میں تھی، اور اب وہ جسمانی زمین پر آگئی ہے، کیونکہ حقیقی معنوں میں کائناتِ ظاہر کی کوئی بلندی و پستی نہیں۔

دلیل ع۵: جمادات یعنی مٹی کا بالائی سرا نباتات سے ملا ہوا ہے، نباتات کا سرا حیوانات سے متّصل ہے، حیوانات فوائد کے معنی میں انسانوں سے وابستہ ہیں، انسانوں کا طبقہ روحانی فرشتوں کو چھو رہا ہے، اور فرشتۂ اعظم کے ہاتھ میں سب سے قیمتی پتھر ہے، پس معلوم ہوا کہ یہی دائرۂ کلّی ہے، جس پر روح اور مادّہ کے شب و روز گردش کر رہے ہیں۔

دلیل ع۶: ہمیں ظاہری سائنس کے ساتھ ساتھ روحانی سائنس کو بھی قبول کرنا ہوگا، کیونکہ اس میں بھی لاتعداد انسانی فائدے ہو سکتے ہیں، ہاں یہ بات سچ ہے کہ جسمِ کثیف کے علاوہ ایک اور جسم بھی ہے، جس کا نام جسمِ لطیف ہے، وہ مختلف صورتوں میں پایا جاتا ہے، شروع شروع میں اس کے بے شمار ذرّات نظر آتے ہیں، جو اڑتے ہوتے آتے ہیں، اس مادّۂ لطیف کا ہر ذرّہ جسم و روح کا مرکّب ہے، پس میرا خیال ہے کہ اس بیان سے جو قرآن اور روحانیت کی روشنی میں ہے روح و مادّہ کی شناخت میں کافی حد تک مدد مل سکتی ہے۔

دلیل ع۷: انسان جو اب اس دنیا میں ہے، وہ پہلے شکمِ مادر میں تخلیق کے مختلف مراحل سے گذر رہا تھا، وہ وہاں بے شمار

جراثیمِ حیات میں سے ایک جرثومہ یعنی ایک دُمدار کیڑا تھا، یہ تخمہائے زندگی نطفۂ پدر کے توسط سے آتے، اور اس سے پہلے ان بیجوں کا ذخیرہ عالمِ ذرّ میں تھا اور ہے، عالمِ ذرّ اور خزائنِ الٰہی انسانِ کامل میں مخفی ہیں۔

دلیل ۸: حضرتِ نوح علیہ السّلام کے ظاہری طوفان کے پیچھے ایک روحانی طوفان بھی تھا، جس سے تمام جمادات، نباتات، حیوانات، اور سارے انسان ہلاک ہونے والے تھے، اس لئے ان کو حکم ہوا کہ نافرمان لوگوں کو چھوڑ کر باقی ساری چیزوں کی ہر ہر نوع سے دو دو جوڑے عالمِ ذرّ کی کشتی میں لئے جائیں (۱۱/۴۰، ۲۳/۲۷) اس سے پتا چلا کہ عالمِ ذرّ میں پتھر جیسی چیز کا بھی ذرّۂ نر اور ذرّۂ مادّہ ہے، مگر یہ ضروری نہیں کہ یہ نر و مادّہ حیوان کی طرح ہوں۔

دلیل ۹: روحانی ریسرچ کے مطابق حضرت ذوالقرنین اپنے وقت کے امام تھے، ان کا تمام قرآنی قصّہ عالمِ شخصی، عالمِ ذرّ، اور روحانیت سے متعلق ہے، انہوں نے اپنے عالمِ ذرّ میں ایسے ذرّات کو بھی دیکھا تھا، جو زندہ ہونے کے علاوہ پرواز بھی کرتے تھے، مگر بول نہیں سکتے تھے، اس کی یہ تاویل ہے کہ وہ جمادات، نباتات، حیوانات، اور اہلِ شرّ کی روحیں تھیں، اور یہی یاجوج وماجوج بھی ہیں (۱۸/۹۴، ۲۱/۹۶)۔

Institute for Spiritual Wisdom Luminous Science
Knowledge for a united humanity

دلیل ۱۰: روح اور مادّہ کے درمیان کوئی حدِّ فاصل نہیں، بلکہ یہ دراصل ایک ہی چیز ہے، جس کے دو نام ہوتے، جسکی مثال پانی ہے کہ وہ کہیں برف کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے، چنانچہ ہمیں جسمِ لطیف پر غور کرنا چاہیئے کہ وہ مادّہ اور روح کی وحدت کا مقام ہے، اسی وجہ سے وہ ظاہر بھی ہوسکتا ہے، اور غائب بھی، اور اسی سب سے عظیم صلاحیت کی بناء پر وہ جُثّۂ ابداعیّہ کہلاتا ہے۔

دلیل ۱۱: فرشتے اور جنّات (مردان وزنانِ پری) اسی لطیف جسم میں ظاہر ہوسکتے ہیں، اور شیاطینِ جنّی کو انبعاث تک جس چیز کی مہلت دی گئی ہے، وہ ان کے اپنے اجسامِ لطیف میں کام کرنے کی اجازت ہے ($\frac{۷}{۱۴}$، $\frac{۱۵}{۳۶}$، $\frac{۳۸}{۷۹}$)۔

قانون ۱۸: ابداع: قرآنِ عظیم کا پُرحکمت ارشاد ہے:

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُولُ لَهٗ كُنْ فَيَكُونُ ($\frac{۲}{۱۱۷}$) وہی آسمان وزمین کا موجد ہے، اور جب کوئی امر پورا ہو جاتا ہے تو اسے فرماتا ہے کہ "ہوجا" تو وہ ہو جاتا ہے ($\frac{۲}{۱۱۷}$) واقعۂ ابداع کی ایک مثال یہ ہے کہ جب بندۂ سالک علم وعبادت کے ذریعے سے راہِ روحانیت پر گامزن ہوتا جاتا ہے اور اسکی ہستی میں لطافت پیدا ہونے لگتی ہے، تو اس وقت اسرافیل، عزرائیل اور دیگر فرشتے حاضر ہو کر اس کی جان (جو بے شمار ذرات پر مبنی ہے)

کو نکال کر دنیا میں پھیلاتے ہیں، پھر اسے نفوسِ خلائق کے نمائندہ ذرّات کے ساتھ واپس لاکر جسم کے سانچے میں ڈالتے ہیں، اور یہ معجزہ کئی دن تک جاری رہتا ہے، اور اس دوران عالمِ شخصی کے روحانی آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق ہوجاتی ہے، مگر عقلی آسمان و زمین کی آفرینش ابھی دور ہے۔

ہر مومن اور مومنہ کے پرسنل ورلڈ میں بطریقِ ابداع مراتبِ روحانیت کے سات آسمانوں اور سات زمینوں کا ظہور ہوتا ہے ($\frac{۶۵}{۱۲}$) ان سے سات صاحبانِ ادوار اور ان کے حجج مراد ہیں، اور اسی طرح یہ سات + سات = چودہ ابداعی ظہورات مراتبِ عقل پر بھی ہیں، مگر وہاں عالمِ وحدت کے طور پر ہیں۔

عالمِ امر ہی عالمِ ابداع ہے، جس کے ظہورات و معجزات کلمۂ کُن سے ہوتے رہتے ہیں، کلماتِ تامّات میں جو کلمۂ تامّہ سب سے آخر ہے، اُسی کا منشاء و مفہوم "کُن" کہلاتا ہے، بالفاظِ دیگر یہ اس کلمے کی ترجمانی ہے، نیز یہ ارادۂ الٰہی کی بھی ترجمانی ہے، کیونکہ ابداع کے اکثر مقامات پر وہ کلمہ نہیں، مگر خدا کا ارادہ کارفرما ہے۔

ابداع کی چند قابلِ فہم صورتیں یہ ہیں: (الف)، کسی چیز کا روحانی شکل اختیار کرکے عالمِ امر کی طرف بلند ہوجانا (ب)، عالمِ امر سے اس جہان میں کسی معجزے کا ظہور (ج)، عالمِ غیب سے عالمِ لطیف (عالمِ امر) میں کوئی ظہور (د)، کسی ایسے ظہور کا

غائب ہو جانا (۵) ایک ظہور سے دوسرا ظہور، یا مختلف ظہورات کا سلسلہ، یا ایک ساتھ گوناگون تجلّیات، یہ سب ابداعی امور ہیں۔

اس مقام پر جُثّۂ ابداعیّہ کا ذکر بھی ضروری ہے، کہ وہ امامِ عالیمقامؑ کے عظیم الشّان معجزات میں سے ہے، اس کے بہت سے قرآنی نام ہیں، جیسے: برق (۱۳/۱۲، ۳۰/۲۴) استبرق (۱۸/۳۱، ۴۴/۵۳) کیونکہ اسکی رفتار برق کی طرح ہے، اور یہ آسمانی بجلی کی مانند نظر آتا ہے اور غائب ہو جاتا ہے، جُنود (۲۷/۱۷) یعنی افواج کہ اس میں جنّوں، انسانوں، اور پرندوں کے لاتعداد لشکر موجود ہیں، اسی معنی میں یہ محراب (قلعہ) بھی ہے (۳۴/۱۳) کیونکہ اس میں تین قسم کے زبردست لشکر رہتے ہیں، جن کی عسکری طاقت کا کوئی جواب اور کوئی مقابلہ نہیں۔

قانون ۱۹: روحانی سلطنت: بہشت کی سب سے بڑی تعریف یہ ہے کہ اس میں ایک عظیم بادشاہت ہے، جیسا کہ قرآنِ پاک (۷۶/۲۰) میں فرمایا گیا ہے، لیکن سب کے سب بادشاہ کیسے ہو سکتے ہیں، ظاہر ہے کہ تھوڑے ہی لوگوں کو جنّت کی سلطنت ملیگی، اور باقی سب کے سب گویا رعایا ہوں گے، کیونکہ رعیّت کے بغیر کوئی بادشاہی محال ہے، تاہم بہشت کے عوام کو کیا تکلیف ہو سکتی ہے، وہ تو دائمی راحت میں ہوں گے۔

قرآنِ حکیم میں جہاں جہاں روحانی بادشاہ یا بادشاہت کا

ذکر آیا ہے، وہاں وہ بہشت کی ہمیشگی بادشاہی ہے، اس کی مثال آلِ ابراہیمؑ کی عظیم سلطنت (۵۴/۴) ہے، کیونکہ آسمانی کتاب، حکمت، اور سلطنتِ روحانی کسی شک کے بغیر بہشت کی انتہائی اعلیٰ نعمتیں ہیں، الغرض انبیاء و مرسلین اور آئمۂ طاہرینؑ کے ساتھ صفِ اوّل کے اہلِ ایمان بھی جنّت کے ملوک و سلاطین ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی سُنّت یہی چلی آئی ہے، اور اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں کہ وہ اپنی عنایتِ بے نہایت سے مومنین کو نوازتا ہے، اور ہر قسم کی نوازش کے لئے اس نے انبیاء و أئمہؑ علیہم السّلام کا وسیلہ بنایا، جیساکہ حضرتِ موسیٰ اور حضرتِ ہارون علیہما السّلام کی قوم کے بارے میں ارشاد ہے: اور موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تمہیں عنایت کردی ہے جبکہ اس نے تم میں پیغمبر بنائے اور تم کو سلاطین بنایا (۵/۲۰) یعنی تمہاری روح و روحانیت جس مرتبۂ باطن پر امامِ وقت کے ساتھ ایک ہوئی ہے، اسی مرتبت پر خدا نے تم کو مُلوک بنایا ہے۔

جب حضرتِ ابراہیم علیہ السلام نے اسمِ اعظم، اسماءُ الحُسنیٰ، اور کلماتِ تامّات کی عبادت اور معرفت مکمّل کر لی، تو ان کو پروردگارِ عالم نے لوگوں کا امام بنادیا، آپ نے خدا سے درخواست کی کہ

میری ذرّیت سے بھی ائمّہ بنا دیجئے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا (تم تسلّی رکھو امامت تمہاری ہی ذرّیت میں جاری رہے گی، اور جو لوگ از خود اس کا دعویٰ کریں، وہ ظالم قرار پائیں گے اور) ظالموں کو میرا عہد نہیں ملیگا (۲/۱۲۴)۔

حضرتِ ابراہیمؑ نے کسی اور موقع پر یہ بھی کہا: فمن تبعنی فانّہٗ منّی ط (۱۴/۳۶) پس جو کوئی میری پیروی کرے تو وہ مجھ سے ہے (یعنی ایسے لوگ میرے روحانی فرزند ہوں گے) چنانچہ جن مومنین و مومنات پر روحانی ماں باپ کا نور طلوع ہو جاتا ہے، ان کو عالمِ شخصی اور جنّت کی عظیم سلطنت مل جاتی ہے، قرآنِ حکیم کی جن آیاتِ مبارکہ (۵۷/۱۲، ۵۷/۱۹، ۶۶/۸) میں مومنین و مومنات کے نور کا ذکر آیا ہے، ان میں خوب غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ ان میں روحانی سلطنت کے عظیم اسرار پوشیدہ ہیں۔

قانون ۲۰: حیوانِ انسان نما: قولہٗ تعالیٰ: ومن اصدق من اللہ حدیثا = اور خدا تعالیٰ سے بڑھ کر بات میں سچا کون ہوگا (۴/۸۷) چنانچہ یہاں ایک قرآنی فیصلے کا تذکرہ کیا جاتا ہے، اور وہ یہ ہے (ترجمہ): کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اُن میں اکثر (بات) سنتے یا سمجھتے ہیں؟ (نہیں) یہ تو بس بالکل چوپایوں کی طرح بلکہ یہ اُن سے بھی زیادہ بے راہ ہیں (۲۵/۴۴)۔

یہی حکم سورۂ اعراف (۷/۱۷۹) میں تفصیل کے ساتھ ہے (ترجمہ):

ISW Institute for Spiritual Wisdom Luminous Science Knowledge for united humanity

اور ہم نے بہتیرے جنات اور آدمیوں کو جہنم ہی کے واسطے پیدا کیا ان کے دل تو ہیں (مگر) ان سے سمجھتے ہی نہیں، اور ان کی آنکھیں ہیں، (مگر) ان سے دیکھتے ہی نہیں، اور ان کے کان بھی ہیں (مگر) ان سے سنتے ہی نہیں (خلاصہ) یہ لوگ گویا چوپائے ہیں بلکہ ان سے بھی کہیں گئے گزرے ہوئے، یہی لوگ غفلت زدہ ہیں (۹/۱۷۹)۔

قرآنِ حکیم کے اس فیصلے کے بعد اگر ایسے لوگوں کو حیواناتِ انسان نُما کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا، کیونکہ وہ شکل و صورت سے تو انسان ہی ہیں، لیکن دینی علم و عمل سے لاتعلّق رہنے کی وجہ سے یہ لوگ چوپایوں سے بھی زیادہ ناسمجھ ہیں، اور قرآن کا فرمانا ہے کہ اس قسم کے لوگ دنیا میں بہت زیادہ ہیں، تاہم یہ سوال الگ ہے کہ بالآخر ان کا کیا حشر ہوگا؟

قانون ۲۱: رحمتِ کُلّ: خداوند بزرگ و برتر کا پاک ارشاد ہے: وما ارسلنٰك إلّا رحمة للعٰلمين (۲۱/۱۰۷) (اے رسولؐ) ہم نے آپ کو ہر عالمِ شخصی کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اسی رحمتِ کُلّ کے پیشِ نظر مرتبۂ عقل کے عظیم فرشتے اہلِ زمین یعنی تمام انسانوں کے لئے طلبِ مغفرت کرتے رہتے ہیں (۴۲/۵) وہ اگر یہ دیکھتے کہ دوزخِ جہالت سے لوگوں کی نجات کا کوئی قانون ہی نہیں تو پھر وہ زمین کے تمام باشندوں کے حق میں ایسی کوئی دعا ہی نہ کرتے، جب نورِ عقل کے فرشتوں کی جانب سے ہمیشہ دعا ہو رہی ہے، تو ہمیں یقین آتا ہے

کہ اپنے وقت پر لوگوں کے واسطے رحمت اور علم کا دروازہ کھل جائے گا، اور معلوم ہے کہ نبیٔ اکرمؐ جہاں بحرِ رحمت اور شہرِ علم ہیں، وہاں امامِ برحقؑ آپؐ کا دروازہ ہیں۔

قیامت حق ہے، اسکی سختی حق ہے، دوزخ حق ہے، اور جنّت حق ہے، نیز قرآنِ کریم کا یہ فرمانا بھی حق ہے کہ ہر چیز قانونِ رحمت اور قانونِ علم کے تحت ہے، یا ہر شی کے ظاہر و باطن میں ایک رحمت اور ایک علم ہے ($\frac{7}{156}$، $\frac{6}{40}$) تو اس میں اہلِ بصیرت کے لئے روشنی ہی روشنی ہے، تاہم عوام کے سامنے کئی مسائل ہو سکتے ہیں، مثال کے طور پر کوئی یہ پوچھے کہ جہاں مجرمین ہمیشہ کے لئے آتشِ دوزخ میں جلتے رہیں گے، وہاں کیا رحمت ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہوگا کہ دوزخ دائمی نہیں بلکہ عارضی ہے، اور وہ بھی مجرموں کی اصلاح کی خاطر ہے، پس اللہ کا قیدخانہ نافرمان لوگوں کے واسطے باعثِ رحمت ہے، کیونکہ وہاں انکی اصلاح ہو جاتی ہے۔

قانون ۲۲: خیر و شرّ: خیر مستقل اور دائمی ہے، مگر شرّ عارضی جس طرح خیر پر عمل کرنے میں رحمت ہے، اسی طرح شرّ سے بچنے میں بھی رحمت ہے، عالمِ دین میں ہادیٔ برحق خیر کا سرچشمہ ہے، اور مُضل یعنی شیطان شرّ کا ذریعہ، عالمِ شخصی میں عقل نمائندۂ ہادی اور نفسِ امّارہ نمائندۂ شیطان ہے، شیطان کے لئے جو مہلت دی گئی ہے، وہ یومِ انبعاث تک ہے، اس کے بعد شیطان اور شرّ کا کام ختم ہو جاتا ہے، جس کی مثال عالمِ شخصی میں پائی جاتی ہے کہ جب

خداوندِ عالم آسمان وزمین اور انکی تمام چیزوں کو اپنے مبارک ہاتھ میں لپیٹ لیتا ہے، اس وقت شرّ فنا ہو کر خیر ہو جاتا ہے، کیونکہ خدا کے ہاتھ میں جو کچھ ہے، وہ خیر ہی خیر ہے (۳۹/۶۷) اس کا اشارہ یہ ہے کہ حضرتِ قائم القیامت علیہ السّلام کے علم کی روشنی میں خیر و شرّ کے اسرار منکشف ہو سکتے ہیں۔

قانون ۲۳۔ سود کی تأویل: تجارت حلال اور سود حرام ہونے کی تاویل یہ ہے کہ اللہ، رسولؐ، اور ولیٔ امرؑ کی حقیقی اطاعت و فرمانبرداری کے وسیلے سے روحانی علم کا حصول ممکن اور ضروری ہے، اور اس طریق کے بغیر یہ علم ممنوع ہے، یعنی مل ہی نہیں سکتا، اور نہ ایسا کوئی علم صحیح و درست ہو سکتا ہے، کیونکہ علم و حکمت کے خزائن اطاعت کے شروع میں نہیں بلکہ آخری درجے میں ہیں۔

قانون ۲۴: چار پرندے: انسانِ کامل کے چار پرندے یہ ہیں: قوتِ جبرائیلیّہ، قوتِ میکائیلیّہ، قوتِ اسرافیلیّہ، اور قوتِ عزرائیلیّہ ان قوتوں کو فعلاً زندہ کر دینے کے لئے حضرتِ ابراہیم علیہ السلام نے بحکمِ خدا خصوصی عبادت سے کام لیا، جس میں اللہ کے بزرگ نام اس تعداد میں تھے: ایک، دو، چار، اور زیادہ، چونکہ یہ مقام خیر و شرّ کے دو دریاؤں کا سنگم ہے، جہاں شرّ خیر میں فنا ہو جاتا ہے، اس لئے مذکورہ قوتوں میں دو مومن اور دو کافر کا سلسلۂ کار جاری رہتا ہے، تاکہ حقیقتِ واحدہ (مونو ریالٹی) کا تصوّر قابلِ فہم ہو جائے۔

مجمع البحرین

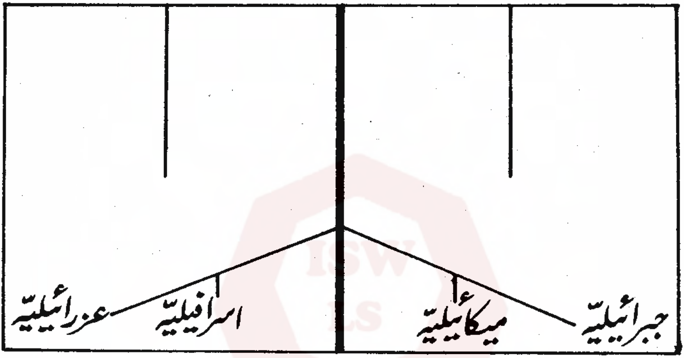

(۳۵/۱۲، ۱۸/۶۰، ۲۵/۵۳، ۲۷/۶۱، ۵۵/۱۹) البحران، البحرین۔

قانون ۲۵: سلطنتِ سلیمانی: حضرت سلیمان علیہ السّلام کے قصۂ قرآن میں آلِ ابراہیمؑ کی عظیم روحانی سلطنت کے بڑے بڑے اسرار اور عجائب وغرائب موجود ہیں (۴/۵۴) چنانچہ حضرتِ سلیمانؑ نہ صرف پرندوں کی بولی جانتے تھے، بلکہ ہوا، پانی، وغیرہ کی آوازیں بھی ان کے لئے ایک مختصر گفتگو تھی، لیکن اصل پرندہ روح، فرشتہ، اور جثۂ ابداعیہ ہے (۲۷/۱۶) جنابِ سلیمانؑ کے لئے ان کے تمام لشکر کا جمع ہو جانا، جو جنّات، آدمیوں، اور پرندوں میں سے تھے، دو طرح سے تھا: ایک یاجوج و ماجوج یا ذراتِ لطیف کی صورت میں، اور دوسرا جسمِ لطیف کی شکل میں، کیونکہ وہ تمام جنّوں، انسانوں، اور پرندوں کا خلاصہ اور جوہر ہے، اس لئے وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

قصۂ سلیمان میں وادئ نمل (چیونٹیوں کی وادی) سے عالمِ ذرّ مراد ہے، جو عالمِ شخصی ہی شامل ہے، جس میں ہر قسم کے روحانی ذرّات موجود ہیں (۲۷/۱۸) بلقیس جو سبا کی ملکہ تھی، اس کا قصہ جہاں قرآن حکیم میں ہے، وہاں وہ تاویلی حکمتوں سے مملو ہے، مثال کے طور پر اس آیۂ شریفہ کو لیتے ہیں: ...ولہا عرش عظیم = اور اس کی ایک بڑی سلطنت ہے (۲۷/۲۳) کیونکہ یہاں عرش کے معنی سلطنت بھی درست ہیں، اب آئیے اس کلیدی حکمت کو لیکر وہاں جاتے ہیں جہاں سب سے بڑا خزانہ موجود ہے، اور وہ یہ ہے: وکان عرشہ علی المآء = اور اسکی بادشاہی (قبلاً) پانی (یعنی علم) پر تھی (۱۱/۷) یعنی اس دورِ اعظم سے پہلے بھی لوگ تھے، اللہ تعالیٰ کی عنایت سے انکی علمی ترقی کا یہ عالم تھا کہ وہ گویا علم کے سمندر میں ڈوب گئے تھے، اور خدا کی بادشاہی کی یہ شان تھی۔

دنیا کی ہر بادشاہی اور حکومت مغلوب ہو کر روحانی سلطنت میں شامل ہو جاتی ہے، اور اسی حقیقت کی ایک روشن مثال ملکۂ سبا کے اس قصے میں ہے، آپ ذرا غور کر کے معلوم کر سکتے ہیں کہ دعوتِ حق کی سب سے آخری شکل روحانی جنگ ہے، جس کا دوسرا نام قیامتِ صغریٰ (ذاتی یا انفرادی قیامت) ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں جہادِ روحانی سے متعلق بہت سے الفاظ و اصطلاحات موجود ہیں، اس امرِ واقعی کی مثال قصۂ

سلیمانؑ میں نمایاں ہے، جیسے جُنود (جُند واحد = لشکر) کہ دُنیا کا کوئی لشکر ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ وہ روحانی جنگ کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے، یُوزعُون (انہوں نے حربی تیاری کا مظاہرہ کیا) ممکن ہے کہ اس سے انفرادی قیامت مراد ہو، جو اجتماعی قیامت اور عالمگیر روحانی جہاد کی مثال ہے۔

اگر یاجوج و ماجوج جیسے انتہائی چھوٹے چھوٹے ذرّات کا خروج ہوا، یا اُڑن طشتریوں کی طرح کوئی روحانی لشکر حملہ آور ہوا، تو اسے کون روک سکتا ہے؟ میرا یقین ہے کہ قیامت، یا روحانی جنگ جسمانی خون خرابہ کے لئے ہرگز نہیں، بلکہ تمام دنیا والوں کو ایک ہی سلکِ وحدت میں منسلک کر دینے کے لئے ہے، الحمدللہ۔

قانون ۲۶: موت کی تحقیق: موت کی کئی قسمیں ہو سکتی ہیں، لیکن جو موت بامقصد اور پرُحکمت ہے، اسی کا ذکر کرنا ضروری ہے، اور وہ نفسانی موت ہے، جو کسی مومن سالک پر جسمانی موت سے پہلے ہی واقع ہو جاتی ہے، جس کے نتیجے میں علم و عرفان کے انمول خزائن پائے جاتے ہیں، اور اس پُرحکمت موت کا بنیادی تذکرہ یہ ہے:

کُلُّ نفسٍ ذائقۃُ الموت (۳/۱۸۵) ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

اس کا اشارہ یہ ہے کہ نفسانی موت سے عرفانی مشاہدات و تجربات کی لازوال دولت حاصل ہو جاتی ہے، جس کی مثال کسی مزہ والی چیز کو چکھ

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

کرمعلوم کرلینے سے دی گئی ہے، تاہم یہاں ایک بڑا اہم سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا، جو ایسی مقدّس و مبارک موت سے نہیں گذر سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص پر مذکورہ موت واقع ہوجاتی ہے، اس میں سب کی نمائندگی موجود ہوتی ہے، چنانچہ کل بہشت میں لوگ اجتماعی نامۂ اعمال میں یہ سب کچھ دیکھ سکیں گے، اور ان کو بڑی حیرت اور بیحد خوشی ہوگی، کہ وہ سب نفسِ واحدہ میں ایک ہیں۔

قانون ۲۷ : دائرے ہی دائرے : چشمِ بصیرت (دیدۂ دل) سے دیکھا جائے تو خدا کی خدائی اور بادشاہی کی ہر ہر چیز ہمیشہ ایک ایسے دائرے پر رواں دواں نظر آتی ہے، جس کی نہ تو کوئی ابتدا ہے، اور نہ ہی کوئی انتہا، اور اس کُلیّہ سے کوئی چیز مستثنیٰ نہیں، اگر موت و فنا کی تحقیق کی جائے، تو وہ بھی دراصل کسی شی کے حق میں ابتدا یا انتہا ثابت نہیں ہوسکتی، کیونکہ حکمائے دین کے نزدیک عدمِ محض کا تصوّر نہیں، جبکہ نیستی عالمِ امر کا ایک نام ہے، جیسا کہ حکیمِ مطلق کا ارشاد ہے: کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون ط ($\frac{۲}{۲۸}$)

تم خدا سے کیسے منکر ہوسکتے ہو، حالانکہ تم مرے ہوئے تھے تو اسی نے تم کو زندہ کیا، پھر تمہیں موت دے گا، پھر تم کو زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے۔

چنانچہ ربِ حکیم نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ "تم کچھ بھی نہ تھے" بلکہ ارشاد ہوا کہ تم تھے تو سہی مگر مُردے، یعنی تمہاری روح بے علم تھی، اور تمہارے جسم کے اجزا عناصر میں بکھرے ہوئے تھے، پس مذکورۂ بالا آیۂ کریمہ سے واضح طور پر موت اور حیات کے شب و روز کا یہ دائرہ بن جاتا ہے:

موت	حیات	موت	حیات	رجوع

قانون ۲۸: سایۂ بہشت: یہ نکتۂ دلپذیر خوب یاد رہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی اہلِ بہشت کی سلطنت کی مثال و دلیل تھی، چنانچہ جن پاک و پاکیزہ روحوں کو جنّت کی عظیم سلطنت عطا ہوگی (۷۶/۲۰) انہی کو ایک طرح سے دنیا کی بادشاہی بھی حاصل ہوگی، اس حقیقت کے بہت سے حکیمانہ اشارے قرآنِ حکیم میں موجود ہیں، اور ان میں سے ایک اشارہ سایۂ بہشت میں ہے، کیونکہ بہشت کے سائے وہاں نہیں، یہاں نمودار ہوتے رہتے ہیں، جیسا کہ مولوی معنوی نے کہا:-

ع تن چو سایہ بر زمین و جانِ پاکِ عاشقان
در بہشتِ عدن تجری تحتھا الانہار مست

جسم سائے کی طرح زمین پر ہے، اور عاشقانِ الٰہی کی پاک روح — دائمیت کی اس بہشت میں مست ہے جسکے نیچے نہریں بہتی رہتی ہیں۔

نیز مولائے روم ہی نے فرمایا کہ: "ما آمدہ نیستیم این سایۂ ماست" = ہم دراصل دنیا میں آئے ہی نہیں ہیں، یہ (جو کچھ نظر

آرہا ہے) ہمارے وجودِ اصلی کا سایہ ہے۔

پس بہشتِ بریں کی نعمتوں کے سلسلے میں جن سایوں کا ذکر آیا ہے، وہ اہلِ دنیا ہیں، جن پر جنت والوں کی بادشاہی ہوتی رہتی ہے، اور ظلِ جنت (سایۂ بہشت) میں اعلیٰ بھیدوں کا خزانہ مخفی ہے، پس اس حقیقت میں کوئی شک ہی نہیں کہ زمانے کا امام علیہ السّلام ظلِ الٰہی بھی ہیں اور سایۂ عرش بھی، کیونکہ خداوند تعالیٰ نے جہاں ہر چیز کا ایک سایہ بنایا (۱۶/۸۱) وہاں اُس نے اپنے نورِ اقدس کا بھی ایک سایہ یعنی عکس بنایا (۲۵/۴۵) جیسا کہ ارشاد ہے:۔ الم تر الی ربّك كيف مدّ الظلّ ولو شاء لجعله ساكنًا ثم جعلنا الشمس عليه دليلًا (۲۵/۴۵) تاویلی مفہوم: اے رسولؐ کیا تم نے معراج میں اپنے ربّ کی طرف نہیں دیکھا کہ اس نے اپنے سایۂ نور (عکس ِ صورتِ رحمانی = چہرہ یزدانی) کو کس طرح وسیع معنوں پر محیط بنا دیا ہے؟ کیا اس میں تمام حقیقتوں کی وحدت و سالمیت نہیں؟ کیوں نہیں، اگر وہ چاہتا تو اسے ٹھہرا ہوا بھی رکھتا، یعنی اسکی معنوی حرکت و وسعت کو روک لیتا، مگر تمہارے لئے ایسا نہیں کیا، پس نورِ عقل کی تائید سے اس کے اسرار محدود بھی ہو جاتے ہیں اور وسیع بھی۔

قانون ۲۹: جسمِ لطیف: پروردگارِ عالم نے اہلِ جنت کے لئے جسمِ لطیف بنا دیا ہے، جس کے کئی نام منکشف ہوئے ہیں، جیسے ظلِ (سایہ) ریش (۷/۲۶) سرابیل (۱۶/۸۱) محراب (۱۹/۱۱) تمثال (۳۴/۱۳)

جنّ / پری، فرشتہ، اریکہ (جمع ارائک = تخت) طیر = پرندہ، رعد، استبرق = برق، رفرف (۵۵/۷۶) جسمِ فلکی، بدنِ کوکبی، جثۂ ابداعیہ، وغیرہ۔

جیساکہ سورۂ یاسین میں ارشاد ہے: هم وازوجهم فی ظلٰلٍ علی الارآئکِ متّکئون (۳۶/۵۶) وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں تختِ شاہی پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔ چونکہ جسمِ لطیف ہی بحقیقت عالمِ شخصی اور عالمِ لطیف ہے، لہٰذا وہ ہر چند کہ ایک نورانی شخص نظر آتا ہے، لیکن وہ ایسی بہشت ہے، جو طول و عرض میں کائنات کے برابر ہے، اور اس میں سب کچھ ہے (۳/۱۳۳، ۵۷/۲۱)۔

قانون ۳۰: علم سے عشق: خداوندِ تعالیٰ جن مومنین و مومنات کو علم کی لازوال دولت سے مالا مال کر دینا چاہتا ہے، ان کے دل میں علم کا عشق پیدا کرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ علم کی تلاش میں لگے رہتے ہیں، اور یہ ان کی بہت بڑی سعادت ہے، کیونکہ علم جہاں حقیقی ہے، وہاں اس میں نورِ الٰہی کی تجلّیات ہیں چنانچہ نورالانوار کی تمثیل طور (پہاڑ) سے دی گئی ہے، اور گوناگون تجلّیات کی تشبیہ پہاڑ کے ریزہ ریزہ ہو جانے سے دی گئی ہے، پس محبوبِ جان کا نورانی، عقلی، اور علمی دیدار یہ ہے کہ آپ علم و حکمت کے اسرار کا ادراک کر سکیں۔

ربّ العزّت کی تجلّی ہر زمانے میں کاملین کو ہوتی رہی ہے، لیکن یہ واقعہ ایسا کیوں ہوا کہ صرف حضرت موسیٰؑ ہی بیہوش ہو کر

گر پڑے ($\frac{۷}{۱۴۳}$)؟ یہ دراصل حیرت اور عشق کی بات ہے، جو علم الٰہی کے عجائب و غرائب سے پیدا ہو جاتا ہے، خداوند تعالیٰ کے عاشق ہونے کا دعویٰ کرنا بہت بڑی بات ہے، اس لئے دعا اور کوشش یہ ہو کہ ہر شخص نورانی علم کا شیدائی بنے، تاکہ اللہ کی خوشنودی حاصل ہو، کیونکہ خدا چاہتا ہے کہ اس کے بندے ہر وقت علم کی روشنی میں رہیں۔

قانون ۳۱: مرگِ جہالت: قرآن و حدیث میں عقل اور علم کی تعریف و توصیف اور کرامت و فضیلت بیان کی گئی ہے، اور جہالت و نادانی کی بڑی سختی سے مذمت کی گئی ہے، اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ جہالت تاریکی بھی ہے، بیماری بھی، موت بھی ہے، اور عذاب بھی، اور یہ حقیقت ہے کہ یکے بعد دیگرے تمام برائیاں جہالت ہی سے جنم لیتی ہے، پس جہالت بہت بڑی موت ہے، کیونکہ اس سے کسی فرد یا افراد یا قوم کی تمام امکانی خوبیاں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں، اسی وجہ سے جہالت کی تشبیہ آتشِ دوزخ سے دی گئی ہے، جیسا کہ قولِ رسولؐ ہے: والجاھل فی النّار = اور نادان آگ میں جل رہا ہے۔ یعنی جہالت و نادانی ہی آتشِ دوزخ ہے، اور یہی عقلی عذاب ہے، جو عذابِ اکبر ہے ($\frac{۳۲}{۲۱}$، $\frac{۳۹}{۲۶}$، $\frac{۶۸}{۳۳}$، $\frac{۸۸}{۲۴}$)۔

موت اور حیات کی کئی قسمیں ہیں، یا یوں کہنا چاہیئے کہ یہ

درجات میں ہیں، مثال کے طور پر جمادات مُردہ ہیں، نباتات زندہ، لیکن حیوانات کے مقابلے میں یہ مُردے کی طرح ہیں، حیوان زندہ ہے، مگر انسان کے سامنے مُردہ جیسا ہے، کیونکہ اسکی کوئی عقل نہیں، انسان عقلِ جُزوی کے اعتبار سے زندہ ہے، تاہم یہ دینی اور روحانی پرورش کی محتاج ہے، اور تربیتؔ و پرورش کے شروع سے آخر تک درجات ہیں۔

قانون ۳۲: بیت اللہ: خداوندِ بزرگ و برتر کی سُنّت میں انتہائی عظیم و عجیب حکمتیں پوشیدہ ہیں، کہ اس کی خاص چیزیں مثال و ممثول کے طور پر ہوا کرتی ہیں، جیسے اس کا ظاہری گھر مثال ہے، اور باطنی گھر ممثول، چنانچہ حضرتِ ابراہیمؑ کا مبارک وجود اپنے وقت میں خانۂ کعبہ کا ممثول اور اللہ تعالیٰ کا باطنی گھر تھا، پس خدا نے آپؑ کو حکم دیا کہ (دنیا بھر کے) لوگوں کو (ذاتی قیامت اور روحانی) حج کے لئے بُلالو، اور اس فرمانِ الٰہی کی تعمیل اس طرح ہوئی کہ انہوں نے اپنی روحانی قوتوں (قوتِ اسرافیلیّہ وغیرہ) سے کام لیکر تمام لوگوں کو بلا لیا، اور سب لوگ انسانِ کامل کے عالمِ شخصی میں حاضر ہو گئے، تاکہ دنیا والے ایک بار یہ دیکھ سکیں کہ حاملِ نور کی شخصیت ان کے فوائد کی خاطر کس طرح کام کر رہی ہے۔

یہ سورۂ حجّ (۲۲/ ۲۶...) کا بہت بڑا تاویلی راز ہے، کہ "ناس"

کے معنی ہیں سب لوگ، اور حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں دنیا بھر کے لوگوں کو حج کے لئے بُلانا صرف صورِ اسرافیل ہی سے ممکن تھا، اور ایسا ہی کیا گیا، پس انسانِ کامل کی انفرادی قیامت میں اہلِ جہان کو دینِ حق میں داخل کرنا بھی ہے، اور ان کا حجِّ اکبر بھی ہے۔

قانون ۳۲ : دینِ مجسّم : حضرتِ محمّد مصطفیٰ رسولِ خدا صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم دینِ حق کی تمام خوبیوں کا مجموعہ تھے، اسی لئے خداوندِ عالم نے آپؐ کو "دین اللّٰہ" جیسے پیارے نام سے یاد فرمایا، جیسا کہ سورۂ نصر میں ہے: (اے رسولؐ) جب خدا کی مدد اور فتح آگئی (یعنی جبرائیل، میکائیل، اور شخصی قیامت) اور تم نے تمام لوگوں کو دیکھا کہ جوق در جوق اللّٰہ کے دین (یعنی تمہاری شخصیت) میں داخل ہو رہے تھے، پس مرتبۂ عقل پر اپنے پروردگار کی پاکی بیان کرو اور (اسی مقام پر) اس سے بخشش مانگو بیشک وہ (اسی مقام پر) لوٹنے والا ہے (یعنی مرتبۂ عقل ہی پر بندہ خدا کی طرف اور خدا بندے کی طرف لوٹ جاتا ہے، ($\frac{۱۱۰}{۱-۳}$)۔

ہر انسانِ کامل کے عالمِ شخصی میں ذاتی قیامت کا تجدّد ہو جاتا ہے، جس میں زندے اور مُردے سب کے سب بصورتِ ذرات جمع ہو جاتے ہیں، اور اسی طرح روحانیت و قیامت کے جملہ اسرار منکشف ہو جاتے ہیں، اور اس کے بغیر معرفت ممکن نہیں، ہر سالک

کے لئے کامل معرفت اس امر میں ہے کہ وہ جیتے جی مقامِ روح پر مرکر زندہ ہو جائے، اور مرتبۂ عقل پر پہنچ کر فنا فی اللہ و بقا باللہ عملی معرفت حاصل کرے، اس کے سوا حقیقی معنوں میں کوئی معرفت نہیں، آپ اس میں خوب غور کرلیں۔

قانون ۳۴: خدا کی رسّی: اللہ تعالیٰ کی سُنّت یہ ہے کہ وہ علیم و حکیم ایک ہی حقیقت کو طرح طرح کی مثالوں میں بیان فرماتا ہے (۱۷/۸۹، ۱۸/۵۴) چنانچہ اللہ کی رسّی سے ہادیٔ برحق علیہ السّلام کا نور مراد ہے، جس کا آسمانی سِرا خدا کے ہاتھ میں اور زمینی سِرا بصورتِ انسانِ کامل لوگوں کے درمیان ہے، یہ نورانی رسّی ارض و سما کے درمیان درجات کی سیڑھی بھی ہے، ربّ العزّت کی طرف جانے کے لئے صراطِ مستقیم بھی، کیونکہ ذاتِ سبحان کی چیزیں روحِ قدسی اور عقلِ کامل سے آراستہ ہوا کرتی ہیں، اس لئے وہ بولنے اور جاننے والی ہوتی ہیں۔

اللہ کی رسّی (۳/۱۰۳) کی مثال میں بڑی عجیب و غریب حکمتیں مخفی ہیں، یعنی (الف): نورِ ہدایت عالمِ علوی سے عالمِ سفلی میں اس طرح آیا ہے کہ اس کا فوقانی سِرا عالمِ بالا میں اور تحتانی سِرا اس دنیا میں ہے، (ب): تاکہ لوگ اس سے وابستہ ہو کر اپنے ربّ کے حضور جا سکیں، (ج): مقصودِ خدا یہ ہے کہ لوگوں کو عالمِ ناسوت کے تنگ و تاریک اور عمیق کنوئیں سے نکالا جائے، (د): تمام باطنی (روحی، اور عقلی) چیزیں عالمِ لامکان سے اسی خدائی رسّی کی شکل میں آتی

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

ہیں، پس جن لوگوں نے اس نورانی رسّی کو مضبوطی سے تھام لیا، تو ان کے لئے سب کچھ ہے' (ھ) نور مرتبۂ ازل میں سورج کی مثال پر مجتمع اور یکجا ہے، عوالمِ شخصی میں منتشر، اور اشخاصِ نبوّت و امامت کے سلسلے میں رسّی کی طرح ہے (و) قرآنِ پاک میں سب سے عظیم الشّان آیات نور سے متعلق ہیں، ان میں سب سے بڑی آیت "اللّٰہُ نورُ السّمٰوات" ہے، جس کی وضاحت "نورٌ علیٰ نور" ہے، یعنی ایک پیغمبر کے بعد دوسرا پیغمبر، پھر ایک امام کے بعد دوسرا امام، اس سے ظاہر ہوا کہ دین میں خدا کی نورانی رسّی سب سے بڑی چیز ہے۔

جب خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ: واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً ولا تفرّقوا (یعنی تم سب مل کر خدا کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور فرقہ فرقہ نہ ہو جاؤ $\frac{3}{103}$) تو اس سے کئی امکانی باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں، خصوصاً لوگوں کے ہاتھ سے خدا کی رسّی کا چھوٹ جانا، اور ان کا فرقہ فرقہ ہو جانا، جس کا چارۂ کار یہی تھا کہ لوگ عقل و دانش اور علم و عمل سے خدا کی نورانی رسّی کو پہچان لیتے، جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے، تاکہ اس کے بے شمار فوائد سے آگہی ہوتی، پھر سب لوگ خود بخود اس کے گرداگرد جمع ہو جاتے۔

اللہ کی پاک رسّی کی جو پُر از حکمت مثال ہے، اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ: انسان کی رسّی جان و عقل کے اوصاف سے عاری، کوتاہ و نارسا، ناقص، کمزور، محدود، اور ٹوٹ جانے والی ہوا کرتی

ہے، جبکہ خدا کی رسّی مثال میں رسّی ہے، مگر ممثول میں روحِ عالم اور عقلِ کامل ہے، اس لئے وہ عالمگیر نور اور زندہ بہشت ہے، اور بے مثال خوبیوں اور تجلّیوں کی کائنات ہے، پس خدا کی رسّی میں دین کی ساری نعمتیں موجود ہیں۔

قانون ۲۵: قرآن کا لسانی معجزہ: سورۂ ابراہیم کی چوتھی آیۂ مقدسہ (۱۴/۴) کو خوب توجہ سے پڑھ لیں، وہ یہ ہے: وما ارسلنا من رّسولٍ الّا بلسانِ قومہٖ لیبیّن لھم = اور کوئی رسول نہیں بھیجا ہم نے مگر بولی بولنے والا اپنی قوم کی تاکہ ان کو سمجھائے۔ دوسری متعلقہ آیۂ شریفہ: قل یاَیّھا النّاس انّی رسولُ اللّٰہِ الیکم جمیعا = تو کہہ اے لوگو میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف (۷/۱۵۸) اور تیسری آیۂ کریمہ، جس کا اس مضمون سے براہِ راست تعلق ہے، یہ ہے: وما ارسلنٰک الّا رحمۃً للعٰلمین = اے نبیؐ ہم نے تو تم کو دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے (۲۱/۱۰۷)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ابتدائی قوم ملکِ عرب کے مسلمان ہیں، اجتماعی قوم دنیا بھر کے مسلمان ہیں، جن کی زبانیں اور بولیاں مختلف ہیں، اور حضورؐ کی امکانی قوم تمام غیر مسلم ہیں، پس خدائے بزرگ و برتر نے حضرتِ خاتم الانبیا کو ظاہراً ایک انتہائی پاک شخصیت اور باطناً ایک عالمگیر نور بنا کر بھیجا تاکہ باطن اور نورانیت میں پاک پیغمبرؐ ہر بولی والے سے کلام کرسکے، چونکہ

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

قرآن ظاہر میں تحریری کتاب اور باطن میں نور ہے، اس لئے قرآنِ حکیم کا روحانی خطاب دُنیا کی ہر زبان میں ہے، اور یہ قرآنِ عظیم کا لسانی معجزہ ہے، مگر یہ معجزے اس وقت ہو سکتے ہیں جبکہ خدا، رسولؐ، اور صاحبِ امر کی حقیقی اِطاعت بجالائی جاتی ہے۔

البقرۃ (۲/۱۷۴) اور آلِ عمران (۳/۷۷) میں یہ مفہوم ہے کہ قیامت کے دن خداوند تعالیٰ اچھے لوگوں سے کلام کرے گا، اور بُرے لوگوں سے کلام نہیں کرے گا، سوال ہے کہ وہ مہربان جن جن سے کلام فرماتے گا، وہ کس زبان میں ہوگا؟ اس کا عقلی اور منطقی جواب یہ ہے کہ خدا ہر زبان اور ہر بولی میں کلام کر سکتا ہے، اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ اللہ ہر حقیقی مومن کی بولی میں خطاب فرمائے گا، اور بہت ممکن ہے کہ خداوندِ عالم کا ایسا کلام جو خدا کے خاص بندوں سے ہونا چاہیئے، وہ پہلے ہی سے قرآن کی روحانیت و نورانیت میں موجود ہو، یقیناً امرِ واقعی ایسا ہی ہے کہ جو لوگ جسمانی موت سے قبل نفسانی طور پر مر کر قیامت کے مناظر دیکھتے ہیں، وہ قیامت سے متعلق تمام باتوں کو اپنی ہی زبان میں سنتے ہیں، اور یہ نورِ قرآن اور نورِ امام کا روحانی معجزہ ہے، اور نور باطن میں ایک ہی ہے۔

خدا، ملائکہ، انبیاءؑ، اور ائمہؑ ہر بولی اور ہر زبان میں کلام کر سکتے ہیں، لیکن یہ معجزہ صرف مراحلِ روحانیت (ذاتی قیامت) اور بہشت میں ممکن ہے، نیز یہ بھی یاد رہے کہ نامۂ اعمال ہر کسی

کی اپنی ہی زبان میں ہوتا ہے، جس کے لئے ظاہری تحریر ضروری نہیں، وہ نوشتۂ رُوحانی ہے، یعنی وہ ایک زندہ کتاب (فرشتہ) ہے
اس بیان سے چند حقیقتیں اُجاگر ہوگئیں، اور ان میں سے ایک حقیقت یہ کہ ہر زبان آیاتِ قدرت میں سے ہے، یعنی وہ خدا کی بنائی ہوئی ہے۔

قانون ۳۶ : کتابِ ناطق : قرآنِ حکیم کے دو مقام پر کتابِ ناطق (بولنے والی کتاب) کا تذکرہ ہے، وہ بابرکت اور پُرحکمت الفاظ یہ ہیں : ولدینا کتٰبٌ ینطق بالحق وھم لا یظلمون = اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے، جو حق بات بولتی ہے، اور لوگوں پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا (٢٣/٦٢) ھٰذا کتٰبنا ینطق علیکم بالحق = یہ ہماری کتاب ہے جو تم پر ٹھیک بول رہی ہے (٤٥/٢٩)۔

یہ امامِ زمان علیہ السلام کے نورِ اقدس کی صورت میں نامۂ اعمال ہے، کیونکہ امامِ عالیمقامؑ خدا اور رسولؐ کی طرف سے لوگوں پر گواہ ہے، اور وہی قرآنِ ناطق بھی ہے، یعنی نورِ قرآن (٥/١٥) اور روحِ قرآن (٤٢/٥٢) نیز معلمِ قرآن (٢/١٥١) کیونکہ حضرتِ امامؑ باطن میں قرآن کے ساتھ ہے، اس کے برعکس اگر خدا کے پاس کوئی جُداگانہ اور خاص قسم کی بولنے والی کتاب اس مقصد کے لئے پوشیدہ رکھی ہوئی ہوتی کہ اس سے اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اپنے بندوں کے اعمال کی گواہی لینے والا ہے، تو اس صورت میں (نعوذ باللہ)

دنیا میں نظامِ ہدایت نامکمل اور آخرت میں قانونِ عدالت بڑا سخت گیر ہوتا، لیکن یہ امرِ محال (ناممکن) ہے۔

کوکبِ دُرّی، ص ۲۲۷ پر مولا علی صلوات اللہ علیہ کا یہ ارشاد درج ہے: انا المتکلم بکل لغۃٍ فی الدنیا = یعنی میں ہوں وہ شخص جو دُنیا کی ہر لغت و زبان میں کلام کرتا ہے۔ اسمِ علی سے نورِ امامت مراد ہے کہ وہ بڑا بلند مرتبہ ہے، جو سیارۂ زمین کی ہر زبان میں کلام کرتا ہے، اور یہ قرآن کی روحانیت و حکمت بھی ہے، اور نامۂ اعمال بھی، کیونکہ اسلام آفاقی دین ہے، اس لئے اس کی ہدایت میں کوئی تنگی (حرج $\frac{22}{78}$) نہیں۔

قانون ۷۳: السنۂ عالم: سورۂ روم کی اس آیۂ کریمہ کو بہ یقینِ حکمت دیکھ لیں: وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ = اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش، اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے، یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانشمند لوگوں کے لئے ($\frac{30}{22}$)۔

اس آیۂ مبارکہ سے یہ حقیقت پوری طرح روشن ہو جاتی ہے کہ السنۂ عالم کی تخلیق خدا نے فرمائی ہے، کیونکہ یہ آیاتِ قدرت میں سے ہیں، اور ہر آیت خدا کے حضور سے آتی ہے، یا اس کی تخلیق ہوتی ہے، جیسے آسمان اور زمین کی پیدائش، اور انسانی رنگوں اور چہروں

کا اختلاف کہ یہ چیزیں انسان کے اختیار میں نہیں ہوتیں، چنانچہ کرۂ ارض کی ابتدائی زبان کا ایجاد و اختراع، اور اسی سے مختلف زبانوں کا ظہور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، یہ بات ایسی ہے جیسے خالقِ اکبر نے آدمؑ کو اپنی رحمانی صورت پر پیدا کیا، اور اسی نمونۂ حسن و جمال کی اساس پر بنی آدم کی صورتوں میں گوناگونی اور رنگا رنگی پیدا کر دی۔

قانون ۲۸ : اہلِ جنّت کی زبان : سب سے پہلے بہشت کے بارے میں یہ جاننا ازحد ضروری ہے کہ وہ کہاں واقع ہے؟ مکانی ہے؟ یا لامکانی؟ پس یاد رہے کہ اشارۂ قرآن (۳/۱۳۳، ۵۷/۲۱) کے مطابق بہشت پوری کائنات کے جسمِ لطیف میں ہے، جس کا ظاہری پہلو مکانی اور باطنی پہلو لامکانی ہے، یہ اجتماعی جنّت ہے، جس کی زبان بحوالۂ ارشادِ نبویؐ عربی ہے، (ترجمہ:) عربی زبان سے تین وجوہ کی بناء پر محبت کرنی چاہیئے، ایک یہ کہ میں (رسولِ کریمؐ) عربی ہوں، دوسرے قرآن عربی ہے، تیسرے اہلِ جنّت کی زبان عربی ہے (المنجد ص ۱۰)۔

اجتماعی جنّت میں ہر مومن اور مومنہ کے لئے انفرادی جنّت بھی ہے، وہ اس کا عالمِ شخصی (جسمِ لطیف) ہے، اور کوکب یعنی ستارہ، جس پر اسکی بادشاہی قائم ہوگی، پس ہر شخص کی ذاتی بہشت میں اس کی اپنی زبان بولی جائے گی، اس کی دلیل یہ ہے

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

کہ بہشت میں ہر مطلوبہ نعمت موجود ہے، اگر کوئی شخص انفرادی بہشت میں کسی اور زبان کو استعمال کرنا چاہے تو وہ خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔

اجتماعی بہشت میں عربی زبان کیوں؟ــــ (الف): اس لئے کہ قرآنِ مجید، احادیثِ قدسی، اور احادیثِ صحیحۂ نبویؐ عربی میں ہیں، اور اس ذخیرۂ نورانی میں عقل ودانش کے لئے جیسی اور جتنی آسمانی نعمتیں تھیں، وہ سب جوں کی توں ہیں، (ب): اس لئے کہ ہر عالمِ شخصی کی روحانیت وجنّت میں قرآنِ حکیم کا آسمانی ترجمہ مہیا ہے (ج)، اس لئے کہ قرآنِ مجید اب بھی لوحِ محفوظ (۸۵: ۲۱ــ۲۲) میں بقلمِ الٰہی لکھا ہوا موجود ہے، تاکہ اہلِ بہشت اس کے ازلی وابدی اسرار کا مشاہدہ ومطالعہ کریں، (د): قرآنِ پاک جو عربی میں ہے، وہ تمام اگلی آسمانی کتابوں کا مجموعہ، خلاصہ، اور محافظ ہے ($\frac{۵}{۴۸}$) جس میں جملہ انبیاء علیہم السّلام کی عقلی اور روحانی نعمتوں کا ذکر ہے۔

قانون ۳۹: زبان محفوظ ہے: خدائے قادرِ مطلق نے عالمِ لطیف (بہشت) کو ہر گونہ نعمتوں سے بھرپور بنایا ہے، وہاں ہر خواستہ ومطلوب چیز مل جاتی ہے، اور کوئی شی ناممکن نہیں، اور اس حقیقت پر قرآن پاک کی بہت سی شہادتیں ملتی ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے: لھم مّا یشآء ون فیھا ولدینا مزید = وہاں ان کے لئے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اس سے زیادہ بھی ہے ($\frac{۵۰}{۳۵}$) پس ہم یقیناً یہ کہہ سکتے ہیں کہ بہشت میں نہ صرف

دنیا کی زبانیں محفوظ ہیں، بلکہ ساتھ ہی ساتھ ہر زبان کی مکمّل تاریخ بھی زندہ رکھی ہوئی ہے کہ وہ زبان کب سے اور کہاں سے چلی آئی ہے، اس کی **پہلی دلیل** : وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ کِتٰبًا = اور ہم نے ہر چیز گن گن کر لکھ رکھی ہے (۷۸/۲۹) **دوسری دلیل** : زمانۂ قدیم کے رِجال بہشت میں بصورتِ غِلمان زندہ اور موجود ہیں، وہ گویا متعلّقہ زبان کی ہسٹری بھی ہیں، اور لُغات بھی (۵۶/۱۷، ۷۶/۱۹) جیسے مؤکّل نے دعا کی: "تھوسؔ گوٹجوؔ، بیںؔ شرُوجوؔ" یعنی مجھے نیا لباس (جسمِ لطیف) دو، اور پرانا رزق (قدیم علم) دو۔

تیسری دلیل : دوسری تمام چیزوں کی طرح قانونِ خزانہ بھی گول شکل کا ہے کہ سکّہ نہ صرف اس سے خارج ہو جاتا ہے، بلکہ گھوم پھر کر اس میں داخل بھی ہو جاتا ہے، چنانچہ زبان بہشت جیسے خزائن (۱۵/۲۱) سے نازل ہوئی ہے، اور پھر بہشت کی طرف لوٹائی جاتی ہے، **چوتھی دلیل** : نیک لوگوں کا نامۂ اعمال عالی مرتبہ ہستیوں (علیّین = أئمّہ) میں ہوتا ہے (۸۳ : ۱۸-۲۱) اس کا اشارہ یہ ہے کہ ابرار کا نامۂ اعمال نورِ امامت کی روشنی میں ہے، بلکہ ملکر ہے لہٰذا اس میں کوئی تعجب نہیں کہ ایسی بلندی کی کتابِ اعمال میں قدیم زبان، ادب اور علم کا بہت بڑا خزانہ موجود ہو، کیونکہ نور تمام زمانوں پر محیط ہے۔

قانون ۴۰ : یومُ الخلُود : حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :

ادخلوھا بسلٰم ط ذالک یومُ الخلُود = جنّت میں صحیح و سلامت داخل ہو جاؤ، یہی تو ہمیشہ رہنے کا دن ہے ($\frac{۵۰}{۳۴}$) یہاں کسی کا یہ سوال ممکن ہے کہ بہشت کی ہمیشگی کس طرح ہے؟ ایک شخص ماضی میں بہشت سے باہر رہتا تھا، اور اب مستقبل کے لئے بہشت میں داخل ہو گیا تو یہ کُلّ وقت نہیں ہوا، پھر کیسے اس کا نام ہمیشہ (خلُود) ہو سکتا ہے؟

جواب : بہشت میں ماضی و مستقبل نہیں، بس وہاں حال ہی حال ہے، یعنی اس میں دہر یا ٹھہرا ہوا زمان ہے، گذرنے والا زمان نہیں، ایسی جنّت میں ہر انسان اپنی انائے عُلوی کے اعتبار سے ہمیشہ ہمیشہ موجود ہے، اس کے علاوہ وہ انائے سفلی کے اعتبار سے اس دُنیا میں بھی آتا ہے، مگر جب یہ واپس بہشت میں داخل ہو جاتا ہے تو یوں لگتا ہے، جیسے وہ چشمِ زدن (... کلمح البصر او ھو اقرب $\frac{۱۶}{۷۷}$) میں یا اس سے بھی زیادہ سرعت سے لوٹ آیا، کیونکہ بہشتِ برین کا وقت اپنی کیفیت میں ٹھہرا ہُوا ہوتا ہے۔

ایک میں سب

۱۔ نفسِ واحدہ: خدا کی خدائی میں ایسا "ایک" کون ہو سکتا ہے جس کی ذاتِ عالی صفات میں لوگ سب کے سب موجود ہوں؟ کیا وہ کوئی کامل انسان ہے؟ یا فرشتۂ مقرّب؟ یا کوئی عظیم روح؟ آیا ہم میں سے ہر فرد ایسی محیط اور ہمہ گیر ہستی کو حقیقی معنوں میں پہچان سکتا ہے؟ اگر یہ شناخت ممکن ہے تو اس کا طریقہ کیا ہے؟

۲۔ جوابِ جامع: ایسا "ایک" وجود، جس میں تمام نفوسِ جزوی کی ازلی و ابدی وحدت برجا (قائم) ہے، نفسِ واحدہ کہلاتا ہے، وہ جسمانیت میں انسانِ کامل، روحانیت میں روحِ اعظم (نفسِ کلّی) اور عقلانیت میں فرشتۂ مقرّب (عقلِ کلّی) ہے، پس ہم سب کے لئے اس کی معرفت ممکن بھی ہے اور ضروری بھی، جس کا طریقہ (راستہ) خودشناسی ہی ہے۔

۳۔ ازلی و ابدی وحدت: آج کی علمی گفتگو کے شروع ہی میں یہ کتنا عظیم راز ظاہر ہوا کہ تمام لوگوں کی ازلی و ابدی وحدت نفسِ واحدہ میں برجا ہی ہے، کیونکہ خالقِ اکبر نے انسانوں کو

نفسِ واحدہ سے پیدا کیا (۴/۱، ۶/۹۸، ۷/۱۸۹، ۳۱/۲۸، ۳۹/۶) لیکن اس طرح سے نہیں کہ انسان کی اصلی حقیقت یا انائے علوی نیچے لائی گئی ہو، جبکہ حقائقِ ازل مکان و زمان کی قید سے بالا و برتر ہیں، اس لئے وہ اپنے اصل مقام سے منقطع ہو کر دُنیائے آب و گِل میں نہیں آسکتے، مگر ہاں، یہی سچ ہے کہ ہر آدمی نفسِ واحدہ سے اس طرح پیدا کیا گیا، جیسے کسی درخت سے اس کا سایہ بن جاتا ہے، تاہم نفسِ واحدہ کے نورِ مقدّس کا تاریک سایہ نہیں، صرف پَرتَو (عکس) ہے، پس اگر چشمِ بصیرت سے دیکھا جائے، تو یہ حقیقت سامنے آئے گی، کہ ہر شخص نفسِ واحدہ یعنی نفسِ کُلّی کا عکس ہے۔

۴۔ ہر چیز کا سایہ: سورۂ نحل (۱۶/۸۱) میں یہ کُلیہ آیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانوں کے فائدے کی خاطر ہر چیز کا ایک سایہ مقرر فرمایا، چنانچہ اجسام، نفوس، اور عقول میں سے کوئی مخلوق ایسی ہرگز نہیں، جس کا کوئی بھی سایہ نہ ہو، حتّٰی کہ سورج، چاند، اور ستاروں کا بھی سایہ ہے، اور وہ ان کا عکس ہے، جو آئینہ، ابرق، صاف پانی، وغیرہ میں نظر آتا ہے، اسی طرح خدائے بزرگ و برتر نے لوگوں کو نفسِ واحدہ کے نور سے بحیثیت عکس پیدا کیا، یہ صرف روحانی تخلیق کی بات ہے، جسمانی پیدائش کا تذکرہ نہیں، تاکہ اس عکس سے جو آئینے میں ہے سورج کی طرف علمی و عرفانی سفر کیا جائے، وہ اس طرح کہ اگر تمہارے آئینۂ قلب پر ہادئ برحق کے نور کا پرتو

پڑرہا ہو، تو یقین کرو کہ تم اس کے ظلّ یعنی سایہ ہو گئے، اور تمہارا روحانی جنم ہوا، لیکن یاد رکھو کہ مرتبۂ عین الیقین پر یہ پہلا جنم ہے، یہاں سے تم کو آگے حقّ الیقین کی طرف جانا ہے، جہاں تمہارا دوسرا جنم ہوگا، جو عقلی جنم ہے، اس کے بعد کہیں آگے چل کر تم اپنی انائے عُلوی کو سرچشمۂ نور میں پاؤ گے۔

۵۔ زندہ بہشت: بہشت دراصل زندہ اور دانندہ (دانا) ہے، اور وہ نفسِ واحدہ ہے، اس میں اہلِ جنت کے لئے سب کچھ ہے: ÓO-MANÁSAN APÍ یعنی وہاں کوئی نعمت اور کوئی چیز ناممکن نہیں، ہر اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ حاصل ہے، یہاں تک کہ دوستانِ خدا اپنے آپ میں بہشتِ برین ہو جاتے ہیں، یعنی نفسِ کُلّ کی حقیقت میں بیدار (زندہ) ہو جاتے ہیں، پھر ان کی کوئی ایسی خواہش باقی نہیں رہتی، جو پوری نہ ہو سکے ($\frac{۲۵}{۱۶}$، $\frac{۱۶}{۳۱}$، $\frac{۳۹}{۳۴}$، $\frac{۴۲}{۲۲}$، $\frac{۵۰}{۳۵}$) جیسے حدیثِ قدسی کا ارشاد ہے: اے ابنِ آدم میری اطاعت کرتا کہ میں تجھ کو خود ایسا بناؤں گا (یعنی علم و معرفت کے ذریعے سے تجھ پر یہ راز ظاہر کروں گا کہ میں تیری روح کی روح اور انائے عُلوی ہوں)...

۶۔ شمسِ ظاہر اور شمسِ باطن: ظاہری شمس سورج ہے، اور باطنی شمس نور، اِس میں اور اُس میں بے انتہا فرق ہے، کیونکہ یہ مثال ہے اور وہ ممثول، یہ عقل و جان سے عاری ہے، اور

وہ عقل وروح کا سرچشمہ، یہ پراگندہ (SCATTERED) ہے، مگر وہ مجتمع، جیساکہ ارشاد ہے: جس وقت آفتاب لپیٹ لیا جائے گا (۸۱/۱) یعنی ذاتی قیامت عالمِ شخصی کے اُس عجیب وغریب واقعے کا نام ہے جس میں آفتابِ عقل اپنی تمام کرنوں (عقولِ جزوی) کے ساتھ لپیٹ لیا جاتا ہے، ایسے میں تمہاری عقل بھی عقلِ کُلّی سے ملی ہوئی نظر آئے گی۔

۷۔ روحِ مستقر اور روحِ مستودع: قرآن حکیم نے انسانی حقیقت سمجھانے کے لئے طرح طرح کی مثالوں سے کام لیا ہے، چنانچہ روحِ مُستقر انائے عُلوی ہے، اور روحِ مستودَع انائے سِفلی (۶/۹۸) پس مومن بمرتبۂ انائے عُلوی ہمیشہ بہشت میں ہے، اور بحیثیتِ انائے سِفلی زمین پر، چونکہ بہشت میں یوم الخُلود ہمیشہ رہنے کا دن (۵۰/۳۴) ہے، یعنی ناگذشتہ اور ٹھہرا ہوا زمانہ، یا دھر، یا تجدّدِ ازل، جو زمانۂ ظاہر سے برتر ہے، کیونکہ عالمِ علوی میں وہ ماہ وسال نہیں جو آسمان کی گردش سے بنتے ہیں، لہٰذا کوئی مومن جب بھی عالمِ شخصی کی جنّت میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ خود کو ازل میں دیکھتا ہے، جہاں ابد بھی ساتھ ہے۔

۸۔ ہر دن خدا کی ایک نئی شان (۵۵/۲۹): یوم (دن) سے مراد اسم اور ذکر وعبادت ہے، شانِ الٰہی کا مطلب تجلّیٔ حق ہے، جس کا تعلق عالمِ شخصی سے ہے، یہ تجلّیاتِ الٰہیہ

بصورتِ علم وحکمت تین مقامات پر ہیں: علم الیقین، عین الیقین، اور حق الیقین، اور تجلّیات کا یہی سلسلۂ لاابتدا و لاانتہا ہمیشہ جاری و باقی ہے۔

۹۔ اسمائے الٰہی میں وحدتِ معنوی: اگرچہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء لفظی معنوں کے اعتبار سے بظاہر الگ الگ نظر آتے ہیں، تاہم حقیقت یہ ہے کہ روحانیت کی بلندی پر خدا کے سارے نام آپس میں ملے ہوئے ہیں، مطلب یہ کہ خدائے واحد کے ہر اسم میں جملہ اسماء کے معانی پوشیدہ ہیں، جس طرح اس مقالے کا عُنوان ہے: "ایک میں سب"۔ چنانچہ الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین کا موضوع ہر چند کہ ظاہراً رُبوبیت کا ہے، لیکن اسکی باطنی حکمت پر غور کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ پروردگار کی یہ پرورش جو قابلِ تعریف اور لائقِ تحسین ہے، تمام اسماء کے معنوں کے ساتھ ہے۔

۱۰۔ انفرادی قیامت: سُورۂ انشقاق (۸۴/۶-۱۱) میں ارشاد ہے (ترجمہ): اے انسان تُو اپنے پروردگار کی حضوری کی کوشش کرتا ہے تو تُو اس کے سامنے حاضر ہوگا، (پھر اُس دن) جس کا نامۂ عمل اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے تو حساب آسان طریقے سے لیا جائے گا اور (پھر) وہ اپنے (مومنین کے) قبیلہ کی طرف خوش خوش پلٹے گا، لیکن جس شخص کو اسکا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا وہ تو موت کی دعا کرے

گا۔

وَینقلبُ اِلیٰ اھلہٖ مسرورا (۸۴/۹) اور وہ اپنے اہلِ دعوت کی طرف شادمان لوٹے گا، یہ انفرادی قیامت کی بات ہے، جو جیتے جی منازلِ روحانیت میں واقع ہو جاتی ہے، اگرچہ اس میں شدید مشقت (کدح ۸۴/۶) ہے، لیکن زہے نصیب جسکو بعد از ہزار رنج یہ گنج ملے، پھر جو خوشی ہوگی، وہ کامیابی اور خزائنِ علم وحکمت سے متعلق ہو سکتی ہے، اور وہ بھی اہلِ دعوت کے ساتھ، کیونکہ وہ اس عظیم واقعہ میں ان کا نمائندہ تھا۔

۱۱۔ قربانی کی تاویل : دینِ فطرت یعنی اسلام برحق ہے، اور نظامِ فطرت ترقی پر قائم ہے، اس لئے اسلام میں بحقیقت دیکھا جائے تو ترقی ہی ترقی ہے، اس کا روشن ثبوت خدا، رسولؐ، اور ائمۂ طاہرینؑ کی پاک ہدایات کا سلسلہ ہے، جو زمان ومکان کے تقاضوں کے مطابق کامیابی سے آگے بڑھتا جا رہا ہے، چنانچہ یہ بھی بڑی اہم پیش رفت ہے کہ قرآن اور شریعت کے ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن یعنی تاویل بھی ہو، اور آپ دینی کتب میں اس امر کو دیکھ سکتے ہیں کہ قربانی کی تاویل بڑی عجیب وغریب ہے، وہ یہ کہ مومنین کی خاطر ناطق، اساس، امام، حُجت، اور داعی کے پاکیزہ نفوس قربان ہو جاتے ہیں، ان حضرات کی یہی قربانی روحانی شہادت بھی ہے، فنائیت بھی، اور نمائندہ قیامت بھی۔

۱۲۔ **مستقبل میں کیا ہوگا؟**: قرآنِ حکیم ظاہراً و باطناً ماضی، حال، اور مستقبل کے تمام واقعات پر روشنی ڈالتا ہے، چنانچہ اس میں دوسرے بہت سے علوم کے ساتھ ساتھ پیش بینی اور پیش گوئی کا علم بھی ہے، اس لئے اہلِ بصیرت سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اب کونسا زمانہ ہے؟ اور آئندہ کیا ہونے والا ہے؟ چونکہ تمام لوگ نفسِ واحدہ سے پیدا کئے گئے ہیں، لہٰذا بالآخر دنیا بھر کے انسان کسی بھی صورت میں ایک ہو جائیں گے، اور یقیناً واحدِ قہار اہلِ زمین کو اپنی بادشاہی کے زیرِ نگین متحد کر لیگا (۴۰:۱۶) چاہے لوگ بادشاہِ حقیقی کو پہچانیں یا نہ پہچانیں، لیکن ضرور وہ سب کے سب ہو جائیں گے ایک۔

دنیا میں جن لوگوں کو بڑی حد تک ظاہری کامیابی حاصل ہوئی تھی، ان میں سے اکثر یہ حقیقت بھول چکے تھے کہ یہ نعمت دراصل خدا کی طرف سے ہے، پس اب بھی اور آئندہ بھی لوگوں کی اس غلط فہمی کا امکان ہے کہ وہ دورِ روحانی کے معجزات کو کچھ اور سمجھ بیٹھیں۔

۱۳۔ **انفرادی زندگی، قومی زندگی، اور عالمی زندگی**: ہر قرآنی تعلیم اور پیش گوئی کا تعلق سب سے پہلے فرد کی زندگی (یعنی عالمِ شخصی) سے ہے، پھر قومی زندگی ہے، اور آخر میں عالمی زندگی ہے، تاکہ ہر آدمی پہلے پہل اپنے آپ کو پہچانے، اور اسی پہچان (معرفت)

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

کی روشنی میں قوم اور تمام دنیا والوں کے آغاز و انجام کو سمجھے، کیونکہ حق الیقین کی معرفت سے کوئی چیز باہر نہیں، اس لئے کہ ایک میں سب رہتے ہیں۔

۱۴۔ **قرآن کی معرفت**: آیا قرآنِ پاک کی معرفت ممکن ہے؟ اگر امکان ہے تو کس طرح؟ مقامِ روح پر؟ یا مرتبۂ عقل پر؟ یا تمام مراحل میں؟ کیا اس میں بھی کوئی تجدّدِ امثال کا عمل ہے؟ آیا یہ بات درست ہے کہ آیاتِ قرآن، آیاتِ آفاق، آیاتِ انفس اور آیاتِ نورِ امامت عالمِ شخصی میں ایک ہیں؟ کیا کوئی عارف اپنی ذات میں قرآنِ ناطق (۲۳/۶۲، ۴۵/۲۹) کو پاسکتا ہے؟ اور اسی کی نورانیت ہی قرآن کی نورانیت ہوتی ہے؟ جی ہاں ممکن ہے، خود شناسی کے طریق پر، روح اور عقل کی جملہ منازل میں، ہاں تجدّد لازمی امر ہے، جی... تمام آیات دراصل ایک ہی ہیں، ہاں جب عارف اپنے قلبِ منوّر میں بولنے والی کتاب کو پاتا ہے تو وہی قرآن کی نورانیت ہوتی ہے، اور اسی کی روشنی میں وہ اسرارِ قرآن کو جانتا ہے۔

آخر میں بجائے اس کے کہ اپنا نام درج کرلوں، میں طوفانی مسرّتوں کے ساتھ عزیزم غلام قادر چیف ایڈوائزر، عزیزم سلطان اسحاق صدر، دیگر عملداران، ممبران اور عزیز دوستوں کو نہ صرف یاد کرتا ہوں، بلکہ ان کو اپنی پیاری روح کا حصّہ بھی سمجھتا ہوں، کیونکہ انہوں نے اپنے حسنِ عمل سے ہم سب کو سرفراز کر دیا۔

کراچی ۱۶ نومبر ۱۹۹۲ء

عالمِ شخصی اور عملی معرفت

شاید آپ نے قرآنِ عظیم کے اُس پُرنور و پُرحکمت ارشاد کا خوب غور سے مطالعہ کیا ہوگا جو آفاق و انفس میں آیاتِ خداوندی (معجزات = نشان ہائے قدرت) کے ظہور کے بارے میں فرمایا گیا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے: عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ وہ برحق ہے (۴۱/۵۳)۔

یقیناً اس ربانی تعلیم میں دورِ قیامت کے آغاز ہو جانے اور عالمِ کبیر و عالمِ شخصی کی آیات (معجزات = عجائب و غرائب) کے ظہورات کی پیش گوئی ہے، اور وہ آفاقی آیات سائنسی ایجادات و اکتشافات کی صورت میں لوگوں کے سامنے آرہی ہیں، اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ سائنس کا عظیم انقلاب قیامت کے ظاہری پہلو کی وجہ سے جاری ہے، جبکہ قیامت کا باطنی پہلو عالمِ شخصی میں پوشیدہ ہے، جس کا تعلق علم و معرفت سے ہے، یہی سبب ہے کہ مذکورۂ بالا قرآنی تعلیم میں پہلے ظاہری آیات کا ذکر آیا ہے، اس کے بعد باطنی آیات کا، اور آخر میں معرفت کا اشارہ فرمایا گیا

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

ہے، پس قیامت کی شناخت ومعرفت کا براہِ راست تعلق ان آیاتِ قدرت سے ہے، جن کا ظہور عالمِ شخصی میں ہوتا ہے، کیونکہ قیامت انہی آیات میں ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس زمانۂ تأویل کے آنے کی پیش گوئی فرمائی ہے، وہ یہی زمانہ ہے، کیونکہ دورِ قیامت اور دورِ تأویل کا مطلب ایک ہی ہے، جیساکہ سورۂ اعراف میں ارشاد ہے: ہم ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب (قرآن) لے آئے ہیں جس کو ہم نے (ایک خاص) علم کی بناء پر مفصّل بنایا ہے اور جو ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ اب کیا یہ لوگ اس کے سوا کسی اور بات کے منتظر ہیں کہ اس (کتاب یعنی قرآن) کی تأویل آجائے.... (۷: ۵۲-۵۳) اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ اجتماعی قیامت قرآن پاک کی آخری تأویل ہے، اور کاملین کی انفرادی قیامت بروقت تاویل ہے، جس سے اہلِ ایمان کی علمی تربیت ہوتی ہے۔

سوال: انفرادی یا اجتماعی قیامت سے قرآن کی تأویل کس طرح ہو سکتی ہے؟ کتابی تأویل کس حد تک مفید ہو سکتی ہے؟ تأویل اور حکمت کے درمیان کیا فرق ہے؟ کیا علمِ لدنّی اور تأویل ایک ہی چیز ہے؟

جواب: جیساکہ اوپر ذکر ہوا کہ قیامت اور تأویل ایک ہی چیز

ہے، پس جس شخص پر انفرادی قیامت گذرتی ہے، اس پر بے شک تأویل کے معجزات گذرتے ہیں، کتابی تاویل کا فائدہ یہ ہے کہ وہ علم الیقین ہے، تاویل کا دوسرا نام حکمت ہے، اس لئے ان دو ناموں کے درمیان کوئی فرق نہیں، جی ہاں، علمِ لَدُنّی اور تأویل ایک ہی چیز ہے۔

علم الیقین کے مقامات پر جو روشن اور دلنشین باتیں ہوتی ہیں، وہ بیحد ضروری ہیں، کیونکہ وہ بنیادی معرفت کا درجہ رکھتی ہیں، علم الیقین اور کامیاب ذکر و عبادت سے عین الیقین (چشمِ باطن) کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے، جس سے عالمِ نفسی منوّر ہو جاتا ہے، اور مرتبۂ حق الیقین وہاں سے بہت آگے چل کر انتہائی بلندی پر ہے، جہاں تمام اسرارِ معرفت بصورتِ خزانۂ خزائن جمع ہیں، جن کے مشاہدے کی بدولت عملی معرفت رفتہ رفتہ کامل و مکمّل ہو جاتی ہے۔

حقّ الیقین مومنِ سالک کی وہ آخری منزل ہے، جس میں ہر اسم اور ہر مُسمّٰی موجود و محدود ہے، اسم اور مُسمّٰی کی مناسبت سے یہاں یہ ذکر بھی ضروری ہے کہ حضرتِ آدمؑ کو علم الاسماء کی تعلیم اسی مقام پر دی گئی تھی، وہاں تمام چیزوں کی ازلی وحدت و سالمیت اُسی طرح برجا و برقرار ہے، اس لئے ایک ہی مُسمّٰی پر سارے اسماء کا اطلاق ہو جاتا ہے، دوسری مثال میں وہ

کُل چیزوں کا عالمِ وحدت ہے، اور اسے سب سے احسن صورت میں ہونا تھا، اس لئے یہ عالمِ وحدت انسانی شکل میں ہے، اور وہ دراصل انسانِ کامل ہے، اسی لئے مولا علی علیہ السّلام نے خُطبۃ البیان میں اپنی ذاتِ پاک کے بہت سے اوصاف و اسماء کو ظاہر فرمایا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر مومن اور مومنہ امامِ وقتؑ کو پہچان کر خود کو پہچانے، تاکہ وہ اپنے عالمِ شخصی ہی میں ہر خزانہ اور ہر عزّت کو حاصل کر سکے۔

عالمِ وحدت کے بارے میں ارشاد ہے: لقد احصٰھم و عدّھم عدّا۔ وکلّھم اٰتیہ یوم القیٰمۃ فردًا (۱۹: ۹۴-۹۵) اس نے ان سب کو گھیر کر (نرالے طریق سے) ان سب کو گن لیا (یعنی ایک شخص بنا دیا)، کیونکہ قیامت کے دن سب کو ایک ہی فرد ہو کر اس کے پاس جانا ہے۔

نصیر الدّین نصیؔر ہونزائیؔ

کراچی

پیر، ۷، جمادی الثّانی ۱۴۱۴ھ ۲۲، نومبر ۱۹۹۳ء

جسمانی اور روحانی علاج

۱۔ وجودِ انسانی کی بہت سی مثالیں ہو سکتی ہیں، ان میں سے ایک مثال یہ کہ وہ تین منزلہ عمارت کی طرح ہے، بشری ہستی وبقا کے اس مکان کی پہلی منزل جسم ہے، دوسری منزل روح، اور تیسری منزل عقل، اس مثال کی منطقی توجیہہ یہ ہے کہ سب سے پہلے آدمی کا جسم بنتا ہے، اس کے بعد روحِ ناطقہ کی تکمیل ہوتی ہے، اور عقل جس قدر بھی ہو آخر میں آتی ہے، جیسے ۳ منزلہ بلڈنگ کی تعمیر نیچے سے شروع ہو کر اوپر کی طرف جاتی ہے۔

۲۔ یہ حقیقت کسی شک کے بغیر مسلّمہ ہے کہ جسم سے روح بالا و برتر ہے، اور روح سے عقل ارفع و اعلیٰ ہے، تاہم ضرورت و اہمیت کی بات بھی ہو کہ جسم کے بغیر روح اور عقل کا کوئی قول و فعل ممکن ہی نہیں، پس یہاں سے ظاہر ہوا کہ جسمانی اور روحانی دونوں قسم کے علاج ایک ساتھ ضروری ہیں، تاکہ خصوصی عبادت اور حقیقی علم کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، اور مراحلِ کمالات طے ہو سکیں۔

۳۔ ہم نے جس طرح اپنی تین کتابوں میں باطنی علاج کی اہمیت

پر زور دیا ہے، اس سے کوئی عزیز یہ نہ سمجھے کہ ہم ظاہری طب اور ڈاکٹری کی نعمتوں سے منکر ہیں، ایسا ہرگز نہیں، اس مفروضے کے برعکس میرے پاس طب اور ڈاکٹری کی چھوٹی موٹی کتابیں ہر وقت موجود رہتی ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ میرا دل پوشیدہ پوشیدہ یوں کہا کرتا ہے کہ کاش میں اس درویشی کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر بھی ہوتا تاکہ بہت سے انسانوں کی عاجزانہ خدمت کر سکتا۔

۴۔ قرآن کریم میں اگر جسمانی علاج کا کوئی ذکر موجود نہ ہوتا، تو آج عالمِ اسلام میں طبِ نبوی کی کوئی کتاب نہ ہوتی، اہلِ دانش سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات میں پرہیز اور علاج و معالجہ کی بنیادی مثالیں موجود ہیں، کیونکہ آپؐ پر جو بے مثال کتاب نازل ہوئی، اس کا ایک نام "شفا" ہے، یعنی ایسی کتاب، کہ وہ آسمانی دواؤں سے پُر ہونے کی وجہ سے نہ صرف عقل و جان ہی کے لئے باعثِ شفا ہے، بلکہ ساتھ ہی ساتھ جسم کی سلامتی کا بھی ذریعہ ہے۔

۵۔ قرآن و حدیث کے بعد امامِ عالیمقامؑ کے ارشادات کو دیکھنا ضروری ہوتا ہے، چنانچہ معلوم ہے کہ مولانا حاضر امامؑ ہیلتھ کے اداروں کو بہت بڑی ترجیح دیتے ہیں، اور ہسپتالوں پر بدریغ زرِ کثیر صرف کر رہے ہیں، اس سے ظاہر ہوا کہ شعبۂ علاج سے جو خواتین و حضرات وابستہ ہیں، وہ انسانی جسم کی خدمت کی وجہ سے عظیم ہیں،

کیوں نہ ہوں، جبکہ آدمی کا بدن اپنے باپ آدمؑ کی مثال پہ ہے، اور آدمؑ رحمانی صورت پر پیدا کیا گیا تھا، جیساکہ حضرتِ مولانا امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ کا ارشادِ مبارک ہے: "اسلام کے نزدیک ایک صحتمند انسانی جسم ایک ایسا عبادت خانہ (مَعبَد TEMPLE) ہے، جس میں روحِ قدسی کا شعلہ فروزاں رہتا ہے ...."

۶۔ مذکورۂ بالا ارشاد تشریح طلب ہے، کیونکہ "پاک روح" کی تجلی کے لئے تنہا جسم کا صحت مند ہونا کافی نہیں، جبکہ اس کے ساتھ ساتھ روح اور عقل کی کامل صحت بھی ازبس ضروری ہے، جس کے لئے روحانی طبیب یا ڈاکٹر کا ہونا لازمی ہے، اور ایسا پاک بے مثال ڈاکٹر خداوند تعالیٰ ہے، پھر رسولؐ اور امامؑ ہیں، تاکہ قانونِ رحمت کے تقاضوں کے مطابق ہمیشہ روحانی علاج کے وسائل مہیا رہیں۔

۷۔ لوگوں میں سب سے بدترین باطنی بیماری جہالت ہے، اور سب سے بہترین مرض آسمانی عشق، جس سے خداوندِ کریم، پیغمبرِ برحقؐ، اور امامِ زمانؑ کی شدید محبت مراد ہے، جیساکہ خواجہ حافظ کا قول ہے:۔

ع طبیبِ عشق چو عیسیٰ دم است و مشفق لیک
چو درد در تو نہ بیند کرا دوا بکند

ترجمہ: عشق کا طبیب (یعنی مرشدِ کامل) حضرتِ عیسیٰؑ کی طرح معجزانہ دعا کر سکتا ہے اور وہ بڑا مہربان بھی ہے، لیکن جب تجھ میں

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

دردِ عشق نہ ہو تو پھر وہ کس کا علاج کرے گا۔

۸۔ خدائے بزرگ و برتر کا براہِ راست عشق ممکن نہ تھا، اسی لئے حکم ہوا کہ پیغمبر اکرم صلعم کی اطاعت و محبّت کا سہارا لو (۳/۳۱) اور اسی طرح اب آنحضرتؐ کی محبّت امامِ زمانؑ کے وسیلے سے ممکن ہے، کیونکہ اس مقدّس عشق کی آخری اور کلیدی شرط ولیٔ امر کی اطاعت ہے، اور لفظِ "اطاعت"، بہت سے لوگوں کے لئے ایک غیر منکشف سِرّ (بھید) رہا ہے، حالانکہ خدا نے دین کو آسان بنا دیا ہے کہ اللہ کی اطاعت قرآنِ پاک میں ہے، رسولؐ کی اطاعت حدیثِ شریف میں، اور صاحبانِ امرؑ کی اطاعت ان کے ارشادات میں، اور آسانیوں کی کلید اس بات میں ہے کہ امامِ زمان علیہ السّلام کی اطاعت کی جائے۔

۹۔ سرورِ انبیاء صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے وقت میں دین و دنیا دونوں کی رہنمائی فرمائی تھی، اور اپنے عالمِ شخصی کو علم کا شہر اور حکمت کا گھر قرار دیتے ہوئے یہ جامع الجوامع اشارہ فرمایا تھا کہ آپؐ کے نورِ اقدس کے احاطے سے نہ کوئی علم باہر ہو سکتا ہے، اور نہ کوئی حکمت خارج ہو سکتی ہے، اب رہا سوال سائنس کا، تو یہ اسی حکمت کی ایک ظاہری شاخ ہے، کیونکہ دنیا میں کوئی ایسی چیز موجود ہی نہیں، جو اللہ کے خزائن سے نہ آئی ہو (۱۵/۲۱) اور خدا کا سب سے بڑا خزینہ نبوّت و امامت کا نور ہے، جیسے عالمِ ظاہر

کا سب سے بڑا خزانہ سورج ہے، جس سے بے شمار چیزیں کائنات میں بکھرتی رہتی ہیں، پھر بھی وہ اسی طرح بھرا ہُوا ہے۔

۱۰۔ میں نے کہا تھا کہ خدا روحانی طبیب یا ڈاکٹر ہے، اور یہ بات حق ہے، کیونکہ سب لوگ اسکو شافئ مطلق کہتے ہیں، اس کے معنی یہ ہوئے کہ شافی اور بھی ہیں، مگر حقیقی معنوں میں شافی صرف خداوند تعالیٰ ہی ہے، جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے (۹/۱۴، ۲۶/۸۰) اور قرآن مجید روحانی شفاخانہ ہے (۱۰/۵۷، ۱۶/۶۹، ۱۷/۸۲، ۴۱/۴۴) جسکی مثال کسی بڑے ظاہری ہسپتال سے دی جاسکتی ہے کہ اس میں بڑا ڈاکٹر اکیلا نہیں ہوتا، بلکہ اسکے تحت اور بھی ڈاکٹرز کام کرتے رہتے ہیں۔

۱۱۔ آج دنیا میں جتنے علوم رائج ہیں، وہ سب سرچشمۂ ازل میں ایک ہیں، اس لئے ان میں نسبت اور مماثلت پائی جاتی ہے، خصوصاً جسمانی علاج اور روحانی علاج میں، یعنی جس طرح ہر شخص ظاہری بیماری میں ضروری طور پر ڈاکٹر سے رجوع کرتا ہے، اسی طرح لازمی ہے کہ وہ اپنے باطنی علاج کے لئے روحانی طبیب کے پاس جائے، اور وہ یہ ہے کہ اطاعت و فرمانبرداری، اور علم و عبادت سے بھرپور روشنی حاصل کرے۔

۱۲۔ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: "اُمِرتُ لِصلاحِ دُنیاکم و نجاتِ آخرتکم = میں تمہاری دنیاوی بہتری

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

اور آخروی نجات کے لئے مامور ہوا ہوں"۔ یہاں مطلب صاف ظاہر ہے کہ نہ صرف ہیلیتھ کا ادارہ بلکہ امامِ زمان علیہ السّلام کا ہر ادارہ خواہ جماعت کی دنیوی بہتری کے لئے ہو یا سب کیلئے ہو، وہ بہرحال اسی حکم کے تحت ہے، لہٰذا ہادئ زمان ع کے تمام ادارے مقدّس ہیں، کیونکہ وہ خدا و رسول ؐ کے منشاء کے مطابق ہیں، پس اہلِ دانش پر شکر واجب ہے کہ وہ علم کی روشنی میں دین و دنیا کی ہر بات اور ہر چیز کو بخوبی جانتے ہیں، اور انہیں یقین ہے کہ پروردگارِ عالم کی طرف سے ہمیشہ جسمانی، روحانی، اور عقلانی رحمتوں اور برکتوں کی بارش ہو رہی ہے۔

۱۳۔ ہم جان و دل سے ان تمام معزز ڈاکٹروں کے شکرگزار اور ممنون ہیں، جنہوں نے کبھی ہمارا یا ہمارے خاندان کے کسی فرد کا علاج کیا ہو، کیونکہ دینداری اور انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنے ہر محسن کے احسان کا پُرخلوص شکریہ ادا کریں، اب میں اپنے ادارے سے متعلق ایک مسرت انگیز بات کرتا ہوں کہ اس وقت بفضلِ خدا ادارے کو چار فرشتہ خصلت ڈاکٹروں کی مشورت و سرپرستی حاصل ہے، یقیناً وہ پاک باطن اور ایمانی ہیں، ان کے دل میں ہمیشہ حقیقی علم اور عبادت کا شوق موجزن رہتا ہے، انکی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے حضور بار بار گریہ وزاری کریں، اور یہ سعادتِ عظمیٰ انہیں نصیب بھی ہو جاتی ہے، ایسے میں ان شاءاللہ

ان کے ہاتھ میں شفاء ہوگی، یہ چاروں عزیزان میڈیکل ایڈوائزرز اور پیٹرنز ہیں، اور ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

ڈاکٹر رفیق جنّت علی (ایم۔بی۔بی۔ایس، آر۔ایم۔پی) جو خانۂ حکمت کے آنریری چیف سیکرٹیری بھی ہیں، انکی بیگم ڈاکٹر شاہ سلطانہ (ایم۔بی۔بی۔ایس، آر۔ایم۔پی) جو کریم آباد برانچ (کراچی) کی چیئرپرسن بھی ہیں، ڈاکٹر حسین علی (مرحوم) کی بیگم ڈاکٹر زرینہ (ایم۔بی بی۔ایس، ایم۔آر۔ایس۔ایچ، ایف۔آر۔ایس۔ایچ) اور ڈاکٹر نیلوفر بابر خان (ایم۔بی۔بی۔ایس، ڈی۔جی۔او) ان شاء اللہ تعالیٰ ایسی بابرکت ہستیوں کی سرپرستی سے ہمارے ادارے کی تاریخ روشن ہو جائے گی۔

۱۴۔ ڈاکٹر رفیق صاحب نے اس مقدّس علمی ادارے کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں، سب سے بڑی خوبی کی بات تو یہ ہے کہ آپ دینی سکالرز میں شامل ہیں، آپ کا بیان ہر بار روشن دلائل پر مبنی ہوا کرتا ہے، ڈاکٹر شاہ سلطانہ صاحبہ تمام تر انسانی اور مذہبی خوبیوں کے ساتھ ساتھ شرافت و متانت (سنجیدگی) میں منفرد ہیں، محترمہ ڈاکٹر زرینہ کو ادارے کا تعارف اگرچہ بعد میں کرایا گیا ہے، لیکن انہوں نے اس قلیل عرصے میں علم کی قدردانی اور بھرپور خدمت سے ہم سب کے دلوں کو جیت لیا ہے، قدرت نے ان کے پاکیزہ دل میں مہر و شفقت کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے، آپ دینی علم کے

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

حصول کی خاطر شب و روز محنت کر رہی ہیں۔

۱۵۔ ڈاکٹر نیلوفر صاحبہ کی جملہ اخلاقی خوبیاں انکے بزرگ والدین سے آگئی ہیں، ان کا پورا خاندان ایمان اور محبتِ اہلِ بیت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے، بنابرین ربّ العزّت نے ڈاکٹر نیلوفر کو عجیب و غریب خصوصیات سے نوازا ہے، آپ کے نامدار شوہر بابر خان صاحب کا تعلق بھی ایسے ہی خاندان سے ہے، عزیزم بابر خان کی ذات میں امامِ اقدس و اطہرؑ کا ایک معجزہ پنہان ہے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جماعت کی بے شمار خدمات انجام دی ہیں، یاد رہے کہ ہر کامیاب مومن کی صلاح و فلاح کا راز علم و عبادت اور مناجات میں ہے۔

نصیر الدّین نصیر ہونزائی، کراچی

اتوار ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ ۲۱ مارچ ۱۹۹۳ء

بموقعِ جشنِ نوروز

لہسن (GARLIC)

قدرت کی ایک معجزاتی دوا

جب SPAINIARDS نے INCAS OF PERU سے آلوؤں کے بارے میں معلوم کیا اس سے ہزارہا برس بیشتر لہسن مہذب غذا کا ایک حصہ رہا تھا۔ حالیہ برسوں میں جدید سائنس کی خیرہ کُن روشنی لہسن پر مرکوز ہوئی ہے اور دنیا بھر کے محققین کے نتائج نے لہسن کو جوڑوں کے ورم، گٹھیا، بڑی آنت کی سوزش، ذیابطیس، معدے کی سوزش، مروڑ، کالی کھانسی، فشارِ خون (HIGH BLOOD PRESSURE) دل کے حملے، اسٹوک (STROKE)، نمونیا، زکام، تپ دق اور سرطان (CANCER) کے لئے بھی ہمہ گیر دوا قرار دیا ہے۔ ذیل میں دنیا بھر کے مشہور سائنس دانوں کے نتائج کا ایک نمونہ پیشِ خدمت ہے:۔

مغربی جرمنی: UNIVERSITY OF COLOGNE کے DR. HANS REUTER نے طویل المیعاد تحقیق کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ لہسن کے باقاعدہ استعمال سے خون میں کولسٹرول کی مقدار کم ہوگئی، اس طرح لہسن نے خلفشارِ خون اور دل پر حملوں

کا دفاع کیا۔ PROFESSOR REUTER نے یہ بھی معلوم کیا کہ لہسن تپِ دق اور خناق جیسی بیماریوں کے جراثیم کو بھی ہلاک کرتا ہے۔

جاپان: KUMAMOTO UNIVERSITY کے زہریات کے پروفیسر DR. SATOSHI KITAHARA اپنی اُس تجرباتی کامیابی سے بہت مسرور ہیں، جو انہوں نے خلفشارِ خون، ذیابطیس، نمونیا اور جوڑوں کے ورم کے مریضوں کو لہسن کے پانی سے علاج کرنے کے بعد حاصل کی۔ بقول اُن کے لہسن خون کی صفائی کرتا ہے، خلیوں سے زہریلے مادوں کا اخراج کرتا ہے، دورانِ خون بڑھاتا ہے اور جسم کے مدافعتی نظام کی تعمیر کرتا ہے۔ لہسن آپ کے موٹاپے کو کم کرنے میں مدد دیتا ہے اور آپ خود کو اپنی عمر سے چھوٹا محسوس کرتے اور پاتے ہیں۔ دوسرے جاپانی محققین نے معلوم کیا کہ جوڑوں کے ورم اور دردِ کمر کے پچاسی فیصد (۸۵٪) سے زائد مریضوں کو لہسن کے پانی سے افاقہ ہوا اور اس کے مُضرِ صحت اثرات بھی نہیں تھے۔

امریکہ: SAN DIEGO میں UNIVERSITY OF CALIFORNIA کے کیمیا کے پروفیسر DR. GERHARD SCHRAUZER، جو علمِ غذائیات اور کینسر میں ایک قائدانہ سند ہیں، ان کے بقول لہسن میں SELENIUM وافر مقدار میں ہوتا ہے، جو انسانی جسم میں

موجود کم مقدار والے عناصر (TRACE ELEMENTS) میں آج سب سے زیادہ زیرِ بحث بنا ہوا ہے۔ SELENIUM وٹامن اِی کے مقابلے میں دس گنا زیادہ طاقتور تصور کیا جاتا ہے اور اس کا تعلق ان کوششوں سے ہے جو کینسر اور دل کی بیماریوں سے بچاؤ کے سلسلے میں ہیں۔

برطانیہ: اس بات کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا جب LANCET نے، جو ایک باوقار انگریزی میڈیکل روزنامہ ہے، دو ہندوستانی محققین DR. H.C. BANSAL اور DR. ARUN BORDIA کی ایک رپورٹ شائع کی ہے، ان کے بقول رضا کاروں جن کو کولسٹرول سے بھرپور غذا کھلائی گئی، لہسن کے پانی سے علاج کے بعد اُن کے کولسٹرول کی مقدار میں غیر معمولی کمی ریکارڈ کی گئی۔ LANCET ہی کی ایک اور رپورٹ سے، جسے تین ہندوستانی محققین نے مرتب کیا، معلوم ہوا کہ لہسن نے ذیابطیس میں مبتلا خرگوشوں کے خون میں شکر کی مقدار کم کر دی، دوسری طرف لہسن نے شکر کی مقدار کو بڑھا بھی دیا، دوسرے لفظوں میں لہسن خون میں شکر کی زیادتی اور کمی دونوں میں مؤثر علاج ہے۔

سوئٹزرلینڈ: UNIVERSITY OF GENEVA کے DR. PIOTROWSKI نے ۱۰۰ ایسے مریضوں کا علاج لہسن سے کیا جو انتہائی فشارِ خون میں مبتلا تھے۔ اس کے نتائج بڑے ہی

حوصلہ افزا تھے۔ لہسن دل کے درد اور درد سر میں بھی ایک مؤثر علاج ثابت ہوا۔

روس : روسی محققین نے دیکھا کہ جو مریض طویل المیعاد بڑی آنت کی سوزش، کالی کھانسی، معدے کی سوزش اور مروڑ میں مبتلا ہیں، اُن کے واسطے لہسن ایک رحمت سے کم نہیں ہے۔

آسٹریلیا : DR. K. HALWAZ نے ایک کنٹرول گروپ پر ایک وسیع مطالعہ کا اہتمام کیا اور انہوں نے دیکھا کہ لہسن کے پانی سے آٹھ ہفتوں کے علاج کے بعد گروپ کے ارکان کے سرخ خلیوں میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ اس طرح یہ ثابت ہوا کہ لہسن طویل المیعاد خون کی کمی کے لئے ایک معجزاتی دوا ہے۔

بھارت : DR. DESAI اور DR. SAINANI نے جس مطالعہ کا اہتمام کیا تھا، اُس نے دنیا کے دیگر حصوں میں موجود اپنے ساتھیوں کے نتائج کو تقویت دی، خصوصاً فشارِ خون اور دل کی بیماریوں میں لہسن کی دوا کے موثر ہونے کا اشارہ ملا۔

لیبیا : لیبیا میں UNIVERSITY OF BENHAZI کے DR. R.C. JAIN بھی اسی قسم کے نتائج پر پہنچے۔ DR. JAIN نے دیکھا کہ لہسن خون کی نالیوں میں پلاق (PLAQUE) کے بننے کو روکتا ہے اور خون کی نالیوں کی دیواروں کو موٹا ہونے سے بھی بچاتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ لہسن دراصل خون

کے انجماد کو کم کر کے انسان میں جان لیوا خون کے منجمد ٹکڑوں (CLOTS) کو ختم کرتا ہے۔

NASEER MEDICAL CENTRE & MATERNITY HOME

Korangi, Karachi-31

Dr. Rafiq Jannat Ali
M.B.B.S., R.M.P.

Dr. (Mrs.) Shah Sultan Rafiq
M.B.B.S., R.M.P.

NASEER FAMILY CLINIC

Federal "B" Area, Karachi.

Dr. Rafiq Jannat Ali
M.B.B.S., R.M.P.

Dr. (Mrs.) Shah Sultan Rafiq
M.B.B.S., R.M.P.

ISW
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

یاسمین نور علی کے سوالات

محترمہ یاسمین (نور علی) برانچ بھی ہیں اور ریکارڈ آفیسر بھی، ہم نے اُن کی گرانقدر خدمات کا بار بار اعتراف کیا ہے اور کرتے رہیں گے، اب ان کی برانچ میں کئی ہوشمند اور علم دوست ارکان کی شمولیت بھی ہوئی ہے، بس اصول کے مطابق رفتہ رفتہ نئے ممبروں کے کارناموں کا تذکرہ کروں گا، جیسے عزیزم غلام مصطفیٰ قاسم علی (مومن) جو علم کے قدردان اور ذہین نوجوان ہیں، پہلی ملاقات جولائی ۱۹۹۳ء میں ہوئی، ان کو حقیقی علم سے زبردست عشق ہے، مجھے کامل یقین ہے کہ ہر ایسا دیندار شخص حصولِ علم میں بہت جلد کامیاب ہو جائے گا۔

ریکارڈ آفیسر یاسمین نور علی کے علمی سوالات یہ ہیں: (۱:) وہ حضراتِ انبیاء علیہم السّلام جن کے پاس مرتبتِ امامت بھی تھی، ان کو قرآنِ حکیم نے بزبانِ حکمت بادشاہ (مَلِک) کہا ہے، لیکن ان پیغمبروں میں حضرتِ محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا اسمِ گرامی موجود نہیں، حالانکہ کسی شک کے بغیر آنحضرتؐ سردارِ رُسل اور خاتم الانبیاء ہیں، آپ اس مسئلے کا حل بتائیں؟ (۲:) اوّل

نبوّت اور امامت کا ایک ہی شخصیت میں جمع ہونا، دوم صرف پیغمبر ہونا، اور سوم صرف امام ہونا، ان تین مراتب میں کیا فرق ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ کسی پیغمبر کو امام بھی بنایا گیا؟ (۳:) آیا جو حضرات صرف امام ہی ہوتے ہیں، ان کو بھی قرآن مجید نے بادشاہ کہا ہے؟

جوابات: (۱:) اعلیٰ علم یا حقیقتِ عالیہ ایک ایسے ڈائمنڈ کی طرح ہے، جو کثیر پہلو رکھتا ہو، خصوصاً حقیقتِ محمدی، آپ اس حدیثِ شریف میں خوب غور کریں، جو کوکبِ دُرّی، بابِ دوم، منقبت ۱۰، ص ۱۷۸ پر ہے (ترجمہ:) میں اور علی ایک نور تھے، اور وہ نور آدم کو پیدا کرنے سے چودہ ہزار سال پیشتر خدائے عزّوجلّ کی درگاہ میں طاعت اور تقدیس کرتا تھا، جب آدم کو پیدا کیا، اس نور کو آدم کے صُلب میں رکھا، اور برابر ایک صلب سے دوسرے صُلب میں منتقل کرتا رہا، یہاں تک کہ اس کو عبدالمطلب کے صلب میں قرار دیا، پھر اس نور کو دو حصّوں میں منقسم کیا، میرے حصّہ کو عبداللہ کی پشت میں قائم کیا، اور علی کے حصّے کو ابو طالب کے صلب میں، پس علی مجھ سے ہے اور میں علی سے۔

پیغمبرِ اکرمؐ کے اس ارشادِ مبارک سے یہ ظاہر ہوا کہ آنحضرتؐ کی عظمت و بزرگی اپنی جگہ مُسلّمہ ہے، تاہم خدا کی مصلحت و حکمت اور لوگوں کی سب سے بڑی آزمائش اس امر میں مخفی رہی کہ ایک

پیر ہو، اور دوسرا شاہ، تاکہ اس مشکل امتحان میں کامیاب ہو جانے کے بعد مرتبۂ یک حقیقت (مونوریالٹی) میں نہ صرف پیر اور شاہ، بلکہ سب کے سب ایک ہو جائیں گے، پس یہاں یہ نکتۂ جانفزا خوب یاد رہے کہ حضرتِ امامِ عالیمقام صلوٰۃ اللہ علیہ نے ہمیں ایک پُرمغز تاویلی اصول عطا کیا ہے، اور وہ عالیشان اصول ہے: "پیرِ شاہ"۔

(۲:) ایک ہی پاک و پاکیزہ شخصیت میں نورِ نبوّت اور نورِ امامت کی یکجائی اور وحدت صرف دورِ نبوّت ہی میں ہوتی رہی ہے، اور وہ بھی صرف سلسلۂ امامت ہی میں، جو حضرت آدم سے چلا آیا ہے، دورِ نبوّت میں جتنے حضراتِ أئمہ پیغمبر بھی ہوئے ہیں، اور ان میں سے جن اماموں کا تذکرہ قرآنِ حکیم میں نمایاں ہے، اس میں امام شناسی کے بے شمار فائدے ہیں، اور ظاہری فرق یہ ہے کہ پیر جتنا بھی عظیم ہو، وہ بہرحال لوگوں کو شاہ کی طرف دعوت دیتا ہے، اب رہا سوال ایسے امام کے بارے میں، جو دورِ امامت میں ہونے کی وجہ سے نبی نہیں، صرف امام ہی ہے، اس میں اور دورِ نبوّت کے کسی امام میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ وہ بھی شاہ تھا، اور یہ بھی شاہ ہے، تاہم ممکن ہے کہ خداوندی پروگرام کی وجہ سے نورِ امامت دورِ قیامت میں درجۂ کمال پر کام کرے، غور سے دیکھیں: اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ ($\frac{9}{32}$) مُتِمُّ نُوْرِہٖ ($\frac{61}{8}$)۔

(۴:۳) جوابات مکمل ہو گئے، اب اگر کوئی بات ہے تو وہ مزید وضاحت ہے، یاد رہے کہ "پیر شاہ" کا تصور کوئی معمولی شئی نہیں، یہ قرآنی حکمتوں کی سب سے بڑی کلید ہے، روحانی انقلاب کے زمانے میں اس پر رباب کی موسیقی کے ساتھ ذکر کیا گیا، جس سے واللہ، شرابِ جنّت کی سی کیفیت طاری ہو گئی، یہ بات اس حقیقت کی ایک روشن دلیل تھی کہ "پیر شاہ" وہ سب سے بڑی کلید ہے، جس سے عظیم خزانوں کے اقفال کھُل سکتے ہیں، کیونکہ یہ خداوندِ عالم کے دو مخفی اور بزرگ نام ہیں (یعنی محمدؐ و علیؑ)۔ الحمد للہ ربّ العالمین۔

ان این ہونزائی
خاکِ پائے اہلِ ایمان
کراچی ہیڈ آفس

جمعرات ۲۴ جمادی الثانی ۱۴۱۴ھ ۹ دسمبر ۱۹۹۳ء

خانه حکمت